الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

سو سال کا سفر کبھی اس طرح طے نہیں ہوتا کہ
ہم اپنے کیلنڈر میں
۱۹۸۵ کے بجائے ۲۰۸۵ کا ہندسہ لکھ لیں

جنوری ۱۹۸۵
شمارہ ۹۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرسالہ

اسلامی مرکز کا ترجمان
اردو، انگریزی میں شائع ہوتا ہے

جنوری ۱۹۸۵ء ☐ شمارہ ۹۸

رسول کو ماننا	۲
کائناتی نمونہ	۳
الٹی چھلانگ	۴
دلیل اور تنقیص	۵
خدا کی نصرت	۶
بے آمیز دین	۷
کتنا فرق	۸
بلند کرداری	۹
دو قسم کے انسان	۱۰
حسن سلوک	۱۱
مردہ پرستی	۱۲
ہجرت کے بعد	۱۴
فطرت سے دور ہو کر	۱۶
کہانی بن گئی	۱۸
سیاحت	۱۹
یہ انسان	۲۰
بلا تحقیق	۲۱
موجودہ دینی مدارس	۲۲
قومی نفسیات	۲۳
اللہ کی یاد	۲۴
مسئلہ کا حل	۲۷
سائنسی ترقیاں اور روحانی عقائد	۳۰
علم نبوت	۳۴
توہم پرستی	۳۵
ایک سفر	۳۷
خبر نامہ اسلامی مرکز	۴۶

زرِ تعاون سالانہ	۳۶ روپیہ
خصوصی تعاون سالانہ	دو سو روپے
بیرونی ممالک سے :	
ہوائی ڈاک	۲۰ ڈالر امریکی
بحری ڈاک	۱۰ ڈالر امریکی

الرسالہ کے لئے بنک سے رقم بھیجتے ہوئے
ڈرافٹ پر صرف الرسالہ منتھلی
'AL-RISALA MONTHLY' لکھیں۔

ماہنامہ الرسالہ
سی - ۲۹ نظام الدین ویسٹ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

رسول کو ماننا

احد کی جنگ میں جب ایک غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی تو لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ تاہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انتہائی عزم و توکل کے ساتھ اپنی جگہ قائم رہے۔ آپ کے ساتھ پندرہ افراد بھی تیروں اور تلواروں کی بارش میں جمے رہے۔ اس وقت ایک مشرک عبداللہ بن قمیہ نے آپ کی طرف پتھر پھینکے۔ یہ دیکھ کر آپ کے ساتھیوں میں سے حضرت مصعب بن عمیر اس کی طرف بڑھے۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ عبداللہ بن قمیہ نے حضرت مصعب بن عمیر کو قتل کر دیا۔ اس نے سمجھا کہ یہ خود رسول اللہ تھے۔ اور اس نے آپ کو اپنی تلوار سے ہلاک کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ یہ آواز لگاتا ہوا واپس ہوا: الا ان محمدا قد قتل الا ان محمدا قد قتل (سنو، محمد قتل کر دیے گئے۔ سنو، محمد قتل کر دیے گئے)

یہ خبر پھیلی تو مسلمانوں میں سے جو لوگ ادھر ادھر بکھر گئے تھے وہ بھی اس سے متاثر ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک طویل روایت ہے۔ اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

قال اناس من اہل النفاق ان کان محمد قد قتل فالحقوا بدینکم الاول۔ فقال انس بن النضر یا قوم ان کان قد قتل محمد فان رب محمد لم یقتل (التفسیر المظہری)

کچھ اہل نفاق نے کہا کہ اگر محمد قتل کر دیے گئے ہیں تو اب اپنے پہلے دین میں شامل ہو جاؤ۔ انس بن نضر نے کہا اے لوگو، اگر محمد قتل کر دیے گئے ہیں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہوا۔

ایک روایت کے مطابق ایک انصاری نے کہا: ان کان محمد قتل فقد بلغ فقاتلوا عن دینکم (اگر محمد قتل کر دیے گئے ہیں تو وہ اپنا دین پہنچا چکے تو اب تم اس دین کے لئے لڑو، تفسیر ابن کثیر)

اس پر قرآن میں یہ آیت اتری کہ محمد تو صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ شکر گزاروں کو بدلہ عطا فرمائے گا (آل عمران ۱۴۴)

کچھ لوگ وہ ہیں جو محمد کو اس حیثیت سے پہچانتے ہیں کہ انھوں نے دنیا کو فتح کیا۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو آپ کو اس حیثیت سے پہچانتے ہیں کہ آپ نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ حقیقی مومن وہ ہے جو محمد کو داعی کے روپ میں پہچانے۔ جو لوگ آپ کو فاتح کے روپ میں پہچانیں ان کی پہچان صرف مورخ کی پہچان ہے نہ کہ مومن کی پہچان۔

کائناتی نمونہ

ایمرسن Emerson کا قول ہے کہ فطرت اس اصول پر عمل کرتی ہے کہ ـــــ سب ہر ایک کے لئے اور ہر ایک سب کے لئے :

Nature works on a method of 'all for each and each for all'

یہ ایک لفظ میں کائنات کے عمل کی نہایت جامع تعبیر ہے۔ کائنات میں بے شمار چیزیں ہیں۔ مگر ان کا عمل حد درجہ توافق کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر چیز اس طرح عمل کرتی ہے کہ اس کا عمل دوسری تمام چیزوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اسی طرح تمام چیزیں اس طرح متحرک ہوتی ہیں کہ ان کی حرکت ہر واحد جزء سے کامل طور پر مطابق رہے۔

یہ گویا خدا کا ایک نمونہ ہے جو اس نے اپنی دنیا میں قائم کر رکھا ہے۔ انسان کو بھی اسی نمونہ پر چلنا ہے۔ انسانی آبادی میں بھی یہی نظام مطلوب ہے کہ ہر فرد اس طرح زندگی گزارے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے اور مجموعی طور پر پوری انسانیت اس طرح کام کرے کہ اس کا کام فرد کی ترقی اور کامیابی میں معاون بن رہا ہو۔ فرد کا عمل جماعت سے ہم آہنگ ہو اور جماعت کا عمل فرد سے ہم آہنگ۔

کائنات کی صورت میں خدا نے ایک زندہ نمونہ قائم کر دیا ہے جو ہر صبح و شام لوگوں کو بتا رہا ہے کہ وہ کس طرح رہیں اور کس طرح نہ رہیں۔ کون سا انسان خدا کے یہاں قابل قبول ٹھہرے گا اور کون سا انسان خدا کے یہاں رد کر دیا جائے گا۔

ایک درخت اور کائنات کی مثال لیجئے۔ کائنات میں حرارت ہے، کشش ہے، ہوا ہے، پانی ہے، ان میں سے ہر چیز درخت کی ضروریات کے عین مطابق ہے۔ بیکٹیریا سے لے کر سورج تک تمام چیزیں درخت کے لئے گویا کائناتی دسترخوان ہیں۔ ہر چیز درخت کو عین وہی چیز دے رہی ہے جو اس کی فطرت کے مطابق اسے ملنا چاہئے۔

دوسری طرف ایک درخت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ درخت اس دنیا کی کسی چیز سے ٹکرائے بغیر اپنا ارتقائی سفر طے کرتا ہے۔ اس کی لکڑی، اس کی پتی، اس کا پھول، اس کا پھل، غرض اس کی ہر چیز بقیہ دنیا کے لئے عین کارآمد ہے۔ حتی کہ اس کا نائٹروجن لینا اور آکسیجن نکالنا بھی عین خارجی دنیا کے تقاضوں کے مطابق ہے ـــــ جزء اور کل یا فرد اور اجتماع کے درمیان یہی کامل مطابقت انسان سے بھی مطلوب ہے۔ اس کے سوا انسان کی کامیابی کا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

الٹی چھلانگ

ایک واقعہ انگریزی اخبار میں ان الفاظ میں آیا ہے۔

In a daring escape from the Sydney, Australia, jail, a prisoner climbed underneath the hood of a truck. At the truck's next stop, he clambered out and found himself in the yard of another prison 6.5 kilometers from the first. (UPI)

آسٹریلیا کی سڈنی جیل کے ایک قیدی نے جیل سے بھاگنے کے لئے ایک جرأت مندانہ اقدام کیا۔ وہ کسی نہ کسی طرح ایک ٹرک کے اندر داخل ہوگیا اور اس کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ ٹرک روانہ ہوکر اگلے مقام پر رکی۔ وہ بمشکل ٹرک سے باہر آیا۔ اس نے پایا کہ وہ دوبارہ ایک جیل میں ہے۔ یہ دوسرا جیل اس کی پہلی جیل سے تقریباً چھ کلو میٹر دور تھا۔

جیل کا مذکورہ قیدی جیل کی زندگی سے گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر صرف ایک چیز سوار تھی۔ یہ کہ وہ کسی نہ کسی طرح جیل کی بند دنیا سے باہر پہنچ جائے۔ اس ذہنی کیفیت کے ساتھ جب اس کو ایک ٹرک نظر آیا تو اس نے یقین کرلیا کہ وہ فرور جیل کے باہر کہیں جارہا ہے۔ مگر وہ ٹرک ایک جیل سے دوسری جیل میں جارہا تھا۔ آدمی اس ٹرک میں سوار ہوکر اپنی جیل سے نکلا۔ مگر اس کے بعد صرف یہ ہوا کہ وہ ایک اور جیل میں پہنچ گیا۔

یہ ایک دل چسپ مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات اقدام صرف الٹی چھلانگ کے ہم معنی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ آدمی ناکام ہوکر دوبارہ اپنے سابقہ مقام پر واپس آجائے۔

زندگی کا سفر دو چیزوں کے ملنے سے طے ہوتا ہے۔ ایک "مسافر" اور دوسرا "ٹرک"۔ کسی مسافر کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ محض ذاتی چھلانگ کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جائے۔ اس کو لازماً اپنے سے باہر ایک سواری درکار ہوتی ہے۔ اگر آدمی محض اپنے ذاتی جوش کے تحت کود کر ایک سواری میں داخل ہوجائے۔ اور یہ تحقیق نہ کرے کہ وہ سواری کہاں جارہی ہے تو عین ممکن ہے کہ اس کا انجام وہی ہو جو مذکورہ مثال میں آسٹریلیا کے قیدی کا ہوا۔ یعنی وہ ایک "قیدخانہ" سے نکل کر دوسرے "قیدخانہ" میں پہنچ جائے۔

دلیل اور شخصیت

قرآن میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ مختلف مقامات پر تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ فرعون نے جب مصر کے جادوگروں کو بلایا اور حضرت موسیٰ سے ان کا مقابلہ ہوا تو یہ واقعہ پیش آیا کہ جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں ڈالیں۔ وہ جادو کے زور سے سانپ کی مانند چلتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ اس وقت حضرت موسیٰ نے خدا کے حکم سے اپنا عصا ڈالا تو وہ تمام سانپوں سے بڑا سانپ بن کر میدان میں دوڑنے لگا۔ اس نے جادوگروں کے جادو کو نگل لیا۔ وہ جدھر جدھر گیا، جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں بس رسیاں اور لاٹھیاں بن کر رہ گئیں۔

یہ دیکھ کر جادوگروں نے سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ کا معاملہ کوئی جادو کا معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا معاملہ ہے۔ حضرت موسیٰ کے مظاہرے میں جادوگروں کو خدا کی معرفت حاصل ہو گئی۔ انھوں نے اسی وقت اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ یہ فرعون کی کھلی ہوئی شکست تھی۔ اس نے غصہ میں آکر جادوگروں کے لئے مصر کی سخت ترین سزا کا اعلان کر دیا۔ وہ یہ کہ جادوگروں کے ہاتھ اور پاؤں کو مخالف سمتوں سے کاٹ کر انھیں تڑپایا جائے اور پھر انھیں کھجور کے تنوں پر لٹکا کر سولی دے دی جائے۔

اس سزا کو سن کر جادوگروں کی زبان سے نکلا ——— ہم تجھ کو ان دلائل پر ترجیح نہ دیں گے جو ہمارے پاس آئے ہیں (لن نوثرك على ماجاءنا من البينات، طٰہٰ ۲۰)

جادوگروں کے سامنے ایک طرف عظیم شخصیت تھی اور دوسری طرف کھلی ہوئی دلیل شخصیت اور دلیل کے اس مقابلہ میں انھوں نے وہی کیا جو ایک سچے انسان کو کرنا چاہئے۔ انھوں نے شخصیت کو نظر انداز کر دیا اور دلیل کو لے لیا۔

جب آدمی کے سامنے ایسی دلیل آجائے جو بات کو اس طرح ثابت شدہ بنا دے کہ وہ اس کی تردید کے لئے کوئی جوابی دلیل پیش کرنے سے عاجز رہے تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ دلیل کو لے لے اور اس کے خلاف شخصیتوں کو چھوڑ دے۔ دلیل کا اس طرح ظہور در اصل خدا کا ظہور ہے جو لوگ دلیل کے مقابلہ میں شخصیت کو ترجیح دیں انھوں نے گویا خدا کے مقابلہ میں غیر خدا کو ترجیح دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے زمین و آسمان کے اندر کوئی جگہ نہیں۔ یہ غیر خدا کو اپنا خدا بنانا ہے۔ پھر خدا کی دنیا میں جو لوگ غیر خدا کو اپنا خدا بنائیں وہ کیسے یہاں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

خدا کی نصرت

ابن ہشام نے اپنی سیرت میں مکی دور کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ بھیجا۔ وہاں وہ یہود کے علماء سے ملے اور ان سے پوچھا کہ ہم کو محمد کے بارے میں بتاؤ کہ ہم ان کو کیا سمجھیں۔ علماء یہود نے کہا کہ ان سے تم اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا حال پوچھو۔ اگر وہ بتا دیں تو وہ نبی مرسل ہیں اور اگر نہ بتا سکیں تو وہ متقول ہیں۔

یہ لوگ مکہ واپس آئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ ان چیزوں کے بارے میں ہمیں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے جو سوال کیا ہے اس کا جواب میں تم کو کل دوں گا (اخبرکم غدا بما سألتم عنه) آپ نے یہ جملہ کہا مگر انشاء اللہ نہ فرمایا۔ آپ کو خیال تھا کہ کل کے دن جبریل آئیں گے تو میں ان سے پوچھ کر بتا دوں گا۔ مگر انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے اگلے دن وحی نہ آئی۔ یہاں تک کہ پندرہ دن تک وحی رکی رہی۔

وحی نہ آنے کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگلے دن جواب نہ دے سکے۔ یہ مکہ کے مشرکین کے لئے سنہرا موقع تھا۔ انھوں نے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ محمد نے وعدہ کیا تھا مگر وہ اپنے وعدہ کو پورا نہ کر سکے۔ دن پر دن گزرتے رہے اور آپ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ مکہ کے مشرکین نے اس کو خوب استعمال کیا۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کہ اب ثابت ہو گیا کہ یہ پیغمبر نہیں ہیں۔ اگر وہ پیغمبر ہوتے تو ضرور اپنے وعدہ کے مطابق جواب دیتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رات دن سخت بے چینی میں گزر رہے تھے۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ ہو رہا تھا۔ بظاہر یہ سراسر آپ کے خلاف بات تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو زبردست طور پر آپ کے موافق بنا دیا۔ وہ یہ کہ پندرہ دن وحی رکنے کی وجہ سے قریش نے سارے شہر میں اتنا پروپیگنڈا کیا کہ ایک ایک آدمی اس معاملہ سے باخبر ہو گیا۔ ہر آدمی کو اشتیاق ہو گیا کہ وہ جانے کہ اس کی بابت محمدؐ کیا کہتے ہیں گویا مکہ والوں نے بہت بڑے پیمانے پر سننے کی فضا بنا دی۔ چنانچہ پندرہ دن کے بعد جب سورہ کہف اتری۔ اور اس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ تفصیل سے بیان ہوا تو سارے لوگ اس کو سننے کے لئے دوڑ پڑے سورہ کہف کے اترتے ہی وہ سارے شہر میں ایک ایک آدمی کی زبان پر تھی۔ جو تبلیغ مہینوں میں ہوتی وہ صرف ایک دن میں ہو گئی —— اگر اللہ چاہے تو وہ اپنے کسی بندے کی غلطی کو بھی صحت کے خانہ میں ڈال دے۔ وہ اس کے ناموافق حالات کو موافق حالات میں تبدیل کر دے۔

بے آمیز دین

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھ کو بوڑھا کر دیا (شیبتنی ھود واخواتھا) سورہ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا :

فاستقم کما امرت ومن تاب معك ولا تطغوا انه بما تعملون بصیر۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللّٰہ من اولیاء ثم لا تنصرون (ھود ۱۱۲-۱۱۳)

پس تو سیدھا رہ جس طرح تجھ کو حکم ہوا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے توبہ کی ہے تمہارے ساتھ، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔ اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تم کو آگ پکڑ لے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

یہی بات سورہ بنی اسرائیل میں بھی ہے جو خود بھی مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی۔

وان کادوا لیفتنونك عن الذی اوحینا الیك لتفتری علینا غیرہ واذا لا تخذوك خلیلا ولولا ان ثبتنك لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلا۔ اذا لاذقنك ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ثم لا تجد لك علینا نصیرا

(بنی اسرائیل ۷۵)

اور قریب تھا کہ وہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے تم پر وحی کی ہے۔ تاکہ تم اس سے مختلف ہم پر جھوٹ لگا کر پیش کرو اور اگر تم ایسا کرتے تو وہ تم کو اپنا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے تم کو جمائے نہ رکھا ہوتا تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ جھک پڑو۔ تب ہم تم کو ضرور چکھاتے دونا عذاب زندگی میں اور دونا عذاب مرنے میں پھر تم ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔

وہ کیا چیز تھی جس نے آپ کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔ وہ ہے بے آمیز دین پیش کرنے کا حکم۔ لوگ چونکہ ہمیشہ ملاوٹی دین پر ہوتے ہیں اس لئے ایسی دعوت میں ہر ایک اپنے کو بے جگہ ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک اس کا مخالف بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ملاوٹی دین کا داعی بننا سب سے زیادہ آسان کام ہے اور بے آمیز دین کا داعی بننا سب سے زیادہ مشکل کام۔

کتنا فرق

برطانیہ نے سوسال پہلے ہانگ کانگ کو پٹہ کے تحت چین سے حاصل کیا تھا۔ اس پٹہ کی مدت ۱۹۹۷ میں ختم ہورہی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسال تک چین کی کمیونسٹ حکومت اور برطانیہ کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ ۲۴ نشستوں کے بعد آخر کار ۲۶ ستمبر ۱۹۸۴ کو ایک معاہدہ پر دونوں کے دستخط ہوگئے اس کے مطابق یکم جولائی ۱۹۹۷ کو ہانگ کانگ چین کے حوالہ کردیا جائے گا۔

جوائنٹ ڈیکلریشن (نہ کہ ٹریٹی) کے مطابق چین کے قبضہ میں آنے کے بعد بھی اگلی نصف صدی تک ہانگ کانگ اپنی موجودہ حالت پر باقی رہے گا۔ کیمونسٹ اصولوں کے سراسر خلاف یہاں اظہار رائے، اجتماع، اسٹرائک، عبادت اور سفر کی پوری آزادی ہوگی۔ برطانی باشندے یہاں کی سرکاری ملازمتوں میں لیئے جاسکیں گے۔ ہانگ کانگ ڈالر بدستور باقی رہے گا، اس فرق کے ساتھ کہ اس پر سے ملکہ برطانیہ کی تصویر حذف کردی جائے گی۔ معاہدہ بتاتا ہے کہ ہانگ کانگ ایک اسپیشل ایڈمنسٹریٹیو ریجن بن جائے گا۔ بصر کے الفاظ ہیں:

The colony will enjoy a high degree of autonomy. The Socialist system and Socialist politics shall not be practised—and Hong Kong's previous capitalist system and life-style shall remain unchanged for fifty years.

ہانگ کانگ کو اعلیٰ درجہ کی آزادی حاصل رہے گی۔ اشتراکی نظام اور اشتراکی پالیسی زیر عمل نہیں لائی جائے گی۔ ہانگ کانگ کا پچھلا سرمایہ دارانہ نظام اور اس کا طرز زندگی غیر متغیر طور پر ۵۰ سال باقی رہے گا۔

(انڈین اکسپریس ۲۷ ستمبر ۱۹۸۴)

اس طویل معاہدہ میں اور بھی بہت سی باتیں طے کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ کیمونسٹ چین ہانگ کانگ کی ائیر لائن (Cathay Pacific) میں شیئر نہیں خریدے گا۔ ہانگ کانگ کا انتظام ہانگ کانگ کے عوام چلائیں گے۔ البتہ چین کی طرف سے ایک چیف ایگزیکٹیو وہاں رہے گا۔ چین کے تحت ہانگ کانگ کو آزاد حیثیت (Autonomous status) حاصل رہے گی وغیرہ۔

اس کے عین برعکس مثال مصر کی ہے۔ نہر سوئز برطانیہ اور فرانس کے پاس پٹہ (۱۸۶۹) پر تھی۔ یہ پٹہ کچھ سالوں میں ختم ہونے والا تھا۔ مگر صدر ناصر نے یہ کیا کہ اچانک ۱۹۵۶ میں اس کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کردیا۔ اس کے بعد مغربی طاقتوں نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ اسرائیل کے ذریعہ مصر کو سوئز سمیت تہس نہس کر ڈالا۔

بلند کرداری

ہندستان میں مسلمان بادشاہ بھی آئے اور مسلمان صوفی بھی۔ مگر ہندستان کی غیر مسلم قوموں نے بادشاہوں کو اپنا رقیب سمجھا اور صوفیوں کو احترام کی نظر سے دیکھا۔ انھوں نے بادشاہوں سے لڑائیاں کیں مگر صوفیوں کے آگے وہ عقیدت سے جھک گئے۔ حتیٰ کہ ان میں سے لاکھوں لوگوں نے ان کے مذہب (اسلام) کو قبول کر لیا۔ آج بھی ہندستان کے لوگ مسلم صوفیوں کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ ان کے مزاروں اور درگاہوں پر حاضری دینے والوں میں ان کی تعداد مسلمانوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ جب کہ مسلمان بادشاہوں کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں۔

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مسلم بادشاہ ان کو اپنی سطح پر نظر آتے تھے اور مسلم صوفی اپنے سے اونچی سطح پر۔ لوگوں نے دیکھا کہ جس طرح وہ دولت کے حریص ہیں اسی طرح مسلم بادشاہ بھی دولت کے حریص ہیں۔ لوگ اقتدار کے لئے لڑتے ہیں اور مسلم بادشاہ بھی اقتدار کے لئے لڑتے ہیں۔ لوگ اپنی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں اور مسلم بادشاہ بھی اپنی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں۔ لوگ دوسروں کو لوٹتے ہیں اور مسلم بادشاہ بھی دوسروں کو لوٹتے ہیں۔ مسلم بادشاہ لوگوں کو اسی عام سطح پر نظر آئے جہاں وہ خود تھے۔ ایسی حالت میں مسلم بادشاہوں کے لئے ان کے دل میں کوئی اعلیٰ جذبہ ابھرتا تو کیسے ابھرتا۔

مگر مسلم صوفیوں کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ انھیں دولت کی تمنا نہ تھی وہ اپنی فقیری میں مگن تھے۔ اقتدار کو چاہنا تو درکنار وہ اقتدار سے دور بھاگنے والے لوگ تھے۔ انھوں نے اپنی خواہش کو معبود نہیں بنایا تھا۔ بلکہ ان کا حال یہ تھا کہ وہ سخت قسم کی نفسیاتی ورزشیں کرتے تھے تاکہ اپنی خواہش کے شیطان کو زیر کر سکیں۔ وہ دوسروں سے صرف محبت کرنا جانتے تھے۔ ان کے یہاں نفرت کا کوئی گزر نہ تھا۔

ان صوفیوں کا یہ حال تھا کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے لئے بھی ان کے پاس جو چیز تھی وہ دعا اور خیر خواہی تھی نہ کہ نفرت اور انتقام۔ ایک صوفی کو ایک شخص نے ایک بار پتھر مارا۔ صوفی کو چوٹ لگی مگر وہ غصہ نہیں ہوا بلکہ آگے بڑھ کر اس آدمی کو سینے سے لگا لیا۔ مارنے والے پوچھا کہ آپ نے مجھ کو سینے سے کیوں لگایا جبکہ میں نے آپ کو مارا تھا۔ صوفی نے جواب دیا کہ تمہارے اندر ایک برائی ہے اس لئے تم سب سے زیادہ اس کے مستحق ہو کہ تم کو سینے سے لگایا جائے۔ اس واقعہ کے بعد اس شخص نے توبہ کر لی اور صوفی کا مرید ہو گیا۔

دو قسم کے انسان

امام شافعی (۲۰۴ - ۱۵۰ھ) خلیفہ ہارون الرشید کے ہم زمانہ تھے۔ وہ حصول علم کے لئے مکہ آئے۔ یہاں انھوں نے سفیان بن عُیینہ اور دوسرے محدثین سے استفادہ کیا۔

اس زمانہ میں امام شافعی بہت سخت معاشی حالات میں تھے۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں یمن کا والی مکہ آیا۔ قریش کے بعض ممتاز افراد نے والی یمن سے سفارش کی کہ شافعی کے اندر اہلیت اور صلاحیت موجود ہے۔ وہ اس قابل ہیں کہ ان کو کوئی سرکاری خدمت سپرد کی جائے۔ والی یمن نے اس سفارش کو قبول کرتے ہوئے انھیں نجران کا عامل بنا دیا۔

مگر امام شافعی کی غیر مصالحت پسندانہ طبیعت نے اس کے بعد ان کے لئے ایک نیا مسئلہ پیدا کر دیا۔ مذکورہ والی یمن ایک ظالم آدمی تھا۔ امام شافعی نے بعض مواقع پر اس کو اس کی زیادتی اور بے انصافی پر ٹوکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ امام شافعی کا مخالف ہو گیا۔ وہ کوئی ایسا بہانہ تلاش کرنے لگا جس کے واسطے سے وہ ان کو سزا دے سکے۔

بالآخر ایک تدبیر اس کی سمجھ میں آئی۔ اس نے امام شافعی کے اندر اپنے "سیاسی" عقائد دریافت کر لئے جن کا ذکر کر کے خلیفہ وقت کو ان کے خلاف مشتعل کیا جا سکے۔ چنانچہ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو خط میں لکھا کہ ـــــ شافعی علوی سادات کے ساتھیوں میں سے ہے۔ علوی سادات وہ لوگ تھے جن پر یہ الزام تھا کہ وہ عباسیوں کی حکومت کے خلاف ہیں۔ ہارون الرشید نے یہ سنا تو اس نے سمجھا کہ شافعی کوئی خطرناک آدمی ہے۔ اس نے بگڑ کر والی یمن کو خط لکھوایا کہ شافعی کو اس کے تمام ساتھیوں کے ساتھ فوراً دارالخلافہ (بغداد) روانہ کرو۔ اس حکم کے مطابق امام شافعی کو گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا گیا۔

یہ بہت نازک معاملہ تھا۔ مگر اس زمانہ میں امام محمد بغداد میں موجود تھے۔ وہ خلیفہ کے قابل اعتماد لوگوں میں تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ امام شافعی ایک مجرم کے طور پر خلیفہ کے دربار میں لائے گئے ہیں تو وہ فوراً دربار میں پہنچے۔ انھوں نے خلیفہ کو بتایا کہ وہ ایک دیندار اور علمی آدمی ہیں۔ ان کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ امام محمد کی سفارش پر امام شافعی رہا کر دئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے جب کہ ان کی عمر ۳۴ سال تھی۔ ابھی وہ صرف "شافعی" تھے، اس وقت تک وہ "امام شافعی" نہیں بنے تھے۔ اس مثال میں ایک کردار والی یمن کا ہے اور دوسرا امام محمد کا۔ والی یمن نے پست اخلاق کا نمونہ پیش کیا اور امام محمد نے اعلیٰ اخلاق کا نمونہ۔

حسن سلوک

سماج میں جو لوگ بے سہارا ہو گئے ہوں ان کا سہارا بننا بہت بڑی عبادت ہے۔ ماں باپ آخری عمر کو پہنچ جائیں۔ ایک بچہ یتیم ہو گیا ہو۔ ایک شخص اپنے وطن سے دور سفر کی حالت میں کسی مشکل میں پھنس جائے۔ اس طرح کی دوسری صورتیں جب کہ آدمی کی ضروریات تمام تر دوسروں کے اوپر منحصر ہو جاتی ہیں، اس وقت کسی کی مدد کرنا، ایسے نازک وقتوں میں کسی کے کام آنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اس کا بہت ثواب ہے۔ اس کی اہمیت قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی۔

اس طرح کے عمل کی اتنی افضلیت کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسان کی عاجزانہ حیثیت کا عملی اقرار ہے۔ ہر انسان خدا کے سامنے کامل طور پر عاجز ہے۔ ہر آدمی کو خدا کے دینے سے ملتا ہے اور اسی کے چھیننے سے چھن جاتا ہے۔ اسی کی معرفت کا نام ایمان ہے اور اسی کو مراسم عبودیت کی شکل میں ادا کرنے کا نام پرستش ہے۔

لیکن آدمی اپنے ایمان اور اپنی عبادت میں سچا ہے یا نہیں، اس کی صحیح جانچ اس وقت ہوتی ہے جب کہ ایک کمزور اور بے سہارا انسان سے اس کا سابقہ پڑے۔ ایسے ہر موقع پر گویا ایک شخص ہمارے سامنے اسی حالت عجز میں لایا جاتا ہے جس حالت عجز میں خود ہم کو خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اپنے جس احتیاج کی بنا پر ہم خدا سے اپنے لئے مدد کے طلب گار ہیں اسی احتیاج میں مبتلا ایک شخص ہمارے سامنے کر دیا جاتا ہے تاکہ ہم کسی استحقاق اور دباؤ کے بغیر اس کے ساتھ اچھا سلوک کر کے خدا سے کہیں کہ خدایا تو بھی ہمارے ساتھ بہتری کا معاملہ فرما جب کہ تیرے اوپر نہ ہمارا کوئی حق ہے اور نہ کوئی دباؤ۔

عاجز انسان کے ساتھ حسن سلوک دراصل خدا کے سامنے اپنی حیثیت عجز کا اقرار ہے۔ یہ اپنی دعا کو خدا کے آگے عمل کی صورت میں دہرانا ہے۔ یہ خدا کے سامنے اپنی بے یار و مددگار حیثیت کی دریافت ہے ایک مومن جب کسی ایسے آدمی کو دیکھتا ہے تو اس کے روپ میں وہ خود اپنے آپ کو خدا کے مقابلہ میں دیکھنے لگتا ہے۔

یہ ادراک اس کو تڑپا دیتا ہے وہ چاہنے لگتا ہے کہ اس بے سہارا آدمی کو وہ سب کچھ دے دے جو اس کے پاس ہے۔ تاکہ وہ اپنے خدا سے وہ سب کچھ پا سکے جو خدا کے پاس ہے۔ دوسرے کی مدد کرنا گویا خدا سے یہ دعا کرنا ہے کہ خدایا تو بھی اسی طرح میری مدد کر۔

مردہ پرستی

قدیم مصر میں جب وہاں کے سرداروں نے حضرت موسیٰ کا انکار کر دیا تو خود ان کے درمیان کا ایک شخص (رجل مومن) اٹھا جس نے اپنی قوم کو دردمندانہ انداز میں نصیحت کی۔ اس رجل مومن کی تقریر قرآن کی چالیسویں سورہ میں درج ہے۔ اس تقریر کا ایک جملہ یہ ہے:

ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شک مما جاءکم بہ حتی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہ رسولا کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب (المومن ۳۴)

اور اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس روشن نشانیوں کے ساتھ آئے۔ پھر جو کچھ وہ لائے تھے اس کی بابت تم شک ہی میں پڑے رہے یہاں تک کہ جب وہ ختم ہو گئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ ہرگز (ایسا) رسول نہ بھیجے گا۔ اس طرح اللہ ان کو بھٹکا دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شک کرنے والے ہیں۔

یعنی حضرت یوسف جب تک زندہ تمہارے درمیان موجود تھے تو تم ان کی صداقت پر شک کرتے رہے۔ اور جب وہ دنیا سے چلے گئے تو تم ان کے قائل ہو گئے۔ مگر صرف یہ کہنے کے لئے کہ اب ایسا رسول خدا کہاں بھیجے گا۔

قدیم مکہ کے لوگ حضرت ابراہیم کی عظمت کا اعلان کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ مگر وہ ہستی جس کی امامت میں حضرت ابراہیم نے بیت المقدس میں نماز ادا کی، اس کو وہ اس کی زندگی میں ناچیز کئے ہوئے تھے۔ حتی کہ اس کو مذمم کہتے تھے۔

یہ مزاج لوگوں میں ہر زمانہ میں پایا گیا ہے۔ لوگ ہمیشہ اپنے مردہ اشخاص کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ حتی کہ وہ ان کو بڑھانے کے لئے جھوٹے قصے کہانیاں گھڑتے ہیں، مگر اپنے زندہ اشخاص کے لئے وہ سچے واقعات بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ گزرے ہوئے لوگوں کو مبالغہ آمیز حد تک بڑا سمجھتے ہیں۔ مگر جو افراد ان کے سامنے ہیں ان کی بڑائی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

قوم جب زندہ ہو تو وہ اپنے زندوں کی قدر کرتی ہے۔ مگر مردہ قوموں کو اس کے سوا اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ اپنے مردوں کی خیالی تصویر بنا کر ان کو پوجتے رہیں۔ زندہ قوم زندہ لوگوں کی قدر کرتی ہے اور مردہ قوم مردہ لوگوں کی۔

یہ لیڈر

مسٹر جناح اور پاکستان کے بارہ میں حال میں لندن سے ایک کتاب چھپی ہے۔ مصنف کا نام اور کتاب کا نام حسب ذیل ہے :

Jinnah of Pakistan, by Stanley Wolpert

اس کتاب میں آزادی سے قبل کی ہندستانی سیاست پر بہت سی دل چسپ باتیں درج ہیں۔ اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے :

> Congress leaders had different views from Jinnah regarding the political set-up in the country. Before the demand of Pakistan, Jinnah was asking for a loose federation with the Centre having limited powers and residue powers resting with the states. On the other hand, the whole thrust of the nationalist politics of the Congress was in the direction of a strong Centre. Jinnah could not have gone along with Congress leaders.

ملک کے سیاسی ڈھانچہ کے بارہ میں کانگرسی لیڈروں کا نقطہ نظر جناح کے نقطہ نظر سے مختلف تھا۔ پاکستان کے مطالبہ سے پہلے جناح کا مطالبہ ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق کا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مرکز کے اختیارات محدود ہوں اور بقیہ اختیارات ریاستوں کو حاصل رہیں۔ دوسری طرف کانگرس کی قومی سیاست کا پورا زور اس رخ پر تھا کہ مرکز مضبوط ہو۔ جناح کانگرسی لیڈروں کے ساتھ نہیں چل سکتے تھے (ٹائمس آف انڈیا ۱۱ نومبر ۱۹۸۴)

مسٹر جناح کیوں آزاد ہندستان میں ایک کمزور سیاسی مرکز چاہتے تھے۔ اور کانگرسی لیڈر کیوں طاقتور مرکز پر زور دیتے تھے۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان لیڈروں کی نگاہ سیاسی پارٹیوں کے رزولیوشن کے الفاظ پر تو خوب تھی مگر ان میں سے کوئی لیڈر ان تاریخی حقیقتوں کو نہ دیکھ سکا جو کسی ملک کی تشکیل میں اصلاً فیصلہ کن ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں یہود کے دین کو برابر کے درجہ میں تسلیم کر لیا (للیہود دینہم وللمسلمین دینہم) اسی طرح صلح حدیبیہ کے وقت آپ ایسی دفعات پر راضی ہو گئے جو مکہ کے اوپر منکرین اسلام کی بالادستی کے اعتراف کے ہم معنی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی نظر حال پر نہیں تھی بلکہ مستقبل پر تھی۔ آپ جانتے تھے کہ وقتی معاہدہ میں خواہ جو لفظ بھی لکھ دیا جائے، بالآخر مکہ اور مدینہ کا فیصلہ وہ تاریخ کرے گی جو اسلامی دعوت کے نتیجہ میں عرب میں بننا شروع ہوئی ہے۔ اسی پیغمبر کے ماننے والوں کا حال آج یہ ہے کہ وہ سامنے کی باتوں کے سوا کوئی اور بات جانتے ہی نہیں۔

ہجرت کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال مکہ میں رہے۔ آپ کی دعوت توحید سے قریش کے مشرکانہ خیالات پر زد پڑتی تھی۔ انھوں نے یک طرفہ طور پر آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ مکہ میں آپ کے لئے رہنا ناممکن بنا دیا۔ اس وقت آپ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔

آپ مکہ سے اپنا سب کچھ چھوڑ کر نکلے تھے۔ تاہم اہل مکہ نے اب بھی دور تک آپ کا پیچھا کیا تاکہ آپ کو پکڑ کر مار ڈالیں۔ واقعات بتا رہے تھے کہ مکہ چھوڑنے کے باوجود مکہ والوں نے آپ کو بھلایا نہیں ہے۔ اب بھی وہ آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ ہر وقت یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ وہ لوگ مدینہ کے اوپر جارحانہ کارروائی نہ کریں۔

ان حالات کے پیش نظر آپ نے مدینہ پہنچنے کے بعد مسلمانوں کے دستے مختلف مقامات پر بھیجنا شروع کئے جن کو سریہ کہا جاتا ہے۔ ان سرایا کا مقصد جنگ نہیں تھا۔ چنانچہ سیرت کی کتابوں میں ان سرایا کے تذکرہ میں اس قسم کے الفاظ آتے ہیں: ولم یلق کیداً۔ فلم یکن بینھم قتال۔ یعنی ان میں جنگ اور مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔

ہجرت کے بعد ابتدائی ایام میں ابواء، بُواط، عشیرہ وغیرہ نام کے سرایا پیش آئے۔ ان سرایا کے تذکرہ میں سیرت کی کتابوں میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: لیس فیھم من الانصار احد (ان میں کوئی انصاری نہ تھا) انصار کو ان مہموں میں شامل نہ کرنے کی مصلحت غالباً یہ تھی کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جو مخاصمت قریش اور مہاجرین کے درمیان قائم ہو چکی ہے وہ قبل از وقت انصار تک وسیع ہو جائے۔

ان سرایا کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مقصد ابتداءً دو تھا۔ اول، مکہ کے اطراف کے قبائل سے صلح کے معاہدے کرنا تاکہ قریش کو ان قبائل سے کاٹا جا سکے۔ قریش اپنی جارحانہ کارروائیوں میں ان کو اپنا شریک نہ بنا سکیں۔ چنانچہ غزوۃ العشیرہ کے ذیل میں یہ الفاظ آتے ہیں: فصالح بھا بنی مدلج وحلفاءھم من بنی ضمرۃ فوادعھم (سیرۃ ابن کثیر، جلد ثانی، صفحہ ۲۶۳)

ان سرایا کا دوسرا مقصد قریش کی نقل و حرکت کا پتہ لگانا تھا۔ چنانچہ سریہ سفوان کے ذیل میں آتا ہے کہ آپ نے سریہ کے سردار کو یہ تحریری ہدایت کی کہ فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم (سیرۃ ابن ہشام، جزء ثانی، صفحہ ۲۲۹)

ان سرایا میں تیسرا سبب اس واقعہ سے پیدا ہوا جس کو اہل مدینہ کے اوپر اہل مکہ کی پہلی

جارحیت کہا جاسکتا ہے۔ غزوہ عشیرہ سے واپسی کے بعد آپ نے تقریباً دس دن مدینہ میں قیام کیا تھا کہ قریش کے ایک سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کے قریب مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مسلمانوں کے اونٹ اور بکریاں لے کر بھاگ گیا (سیرۃ ابن ہشام جزء ثانی، صفحہ ۲۳۸)

اس واقعہ کے پیش نظر قریش کی حوصلہ شکنی ضروری تھی۔ چنانچہ آپ نے قریش کے تجارتی قافلوں کے اوپر دستے بھیجے۔ یہ تجارتی قافلے مدینہ کے قریب سے گزرتے تھے۔ آپ نے ان تجارتی قافلوں پر دستے بھیج کر قریش کو متنبہ کیا کہ اگر تم ہماری معاشیات کو برباد کرنا چاہتے ہو تو تم بھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھو۔

ایک سریہ (عبداللہ بن جحش) میں ایسا ہوا کہ ایک مسلمان نے ایک کافر کو قتل کر دیا۔ اس قتل کے سلسلے میں بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: فکان ابن الحضرمی اوّل قتیل قتل بین المسلمین والمشرکین (تفسیر ابن کثیر، جزء اول صفحہ ۲۵۴) اس بنا پر بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ مدینہ پہنچ کر اسلام نے صبر کا طریقہ چھوڑ کر جنگ کا طریقہ اختیار کر لیا۔ اور ابن الحضرمی کا قتل گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اب اسلام کی طرف سے مسلح جدوجہد کا آغاز ہو چکا ہے۔

مگر واقعہ کی تفصیلات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا نظریہ سراسر بے بنیاد ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ رجب ۲ھ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش کی سرکردگی میں ایک دستہ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ کل بارہ آدمی تھے۔ روانہ کرتے ہوئے آپ نے سردار سریہ کو ایک بند تحریر دی اور فرمایا کہ اس کو اس وقت تک نہ کھولنا جب تک تم دو دن کا راستہ نہ طے کر لو۔ دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس کو کھولنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔

دو دن کے بعد جب حضرت عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا: جب تم میرے اس مکتوب کو دیکھو تو چلتے رہو یہاں تک کہ تم مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ کے مقام پر پہنچ کر اترو اور وہاں قریش کو دیکھو اور ہم کو ان کی خبروں سے مطلع کرو (اذا نظرت فی کتابی ھذا فامضِ حتی تنزل نخلۃ بین مکۃ وطائف فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم، سیرۃ ابن ھشام، جزء ثانی، صفحہ ۲۳۹)

اسی اثنا میں قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ دستہ کے ایک شخص واقد بن عبداللہ نے قافلہ کے سردار عمرو بن الحضرمی کو نشانہ لگا کر ایک تیر مارا۔ یہ تیر کسی نازک مقام پر لگا اور وہ مر گیا۔ دستہ جب مدینہ واپس آیا اور اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ قتل کا واقعہ بتایا تو آپ نے فوراً کہا: ما امرتکم بقتال فی الشھر الحرام (سیرۃ ابن ھشام، جزء ثانی، صفحہ ۲۴۱) میں نے تم کو ماہ حرام میں کسی جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ بالفاظ دیگر، اگر جنگ مقصود ہوتی تو کیا میں تم کو حرام مہینہ میں روانہ کرتا۔

فطرت سے دور ہو کر

انسان کا بچہ تمام جانداروں کے بچے میں سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے۔ اس کو جسمانی پرورش اور ذہنی تربیت دونوں مقصد کے لئے لمبے عرصہ تک اپنے ماں باپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے انسان کے اندر اپنے بچے کے لئے خصوصی کشش رکھی ہے۔

قدیم زمانہ میں کسی بچے کے لئے اپنے باپ یا ماں سے محروم ہونا صرف ہنگامی اسباب سے ہوتا تھا۔ جنگ یا کسی اتفاقی حادثے سے قبل از وقت موت۔ عام حالات میں یقین کیا جا سکتا تھا کہ بچوں کو اپنے والدین کی سرپرستی پختگی کی عمر تک حاصل رہے گی۔

جدید ترقی یافتہ سماج میں یہ استثنا اب عموم بن گیا ہے۔ اور یہ نتیجہ ہے جدید تصور زندگی کا جس نے نکاح کے رشتہ کو غیر مقدس بنا دیا ہے۔ اب یا تو نکاح کے بغیر لڑکے پیدا ہوتے ہیں یا نکاح کے جلد ہی بعد طلاق کی شکل میں دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے ــــ بچوں کی اپنے ماں باپ سے جدائی۔ بچوں کا اپنے والدین کے جیتے جی یتیم ہو جانا۔

اس بڑھتی ہوئی "یتیمی" نے جدید معاشرہ کے لئے طرح طرح کے پیچیدہ مسائل پیدا کر دئے۔ اس میں سے ایک وہ ہے جس کو محرومی کا بونا پن (Deprivation dwarfism) کا نام دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مغرب کے طبی ماہرین کی ایک تازہ رپورٹ (ایوننگ نیوز ۲۷ جون ۱۹۸۴) سامنے آئی ہے۔

یہ رپورٹ الرسالہ (انگریزی) میں مکمل طور پر دی جا رہی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ سے محرومی کی بنا پر جن بچوں کو ابتدائی عمر میں محبت نہیں ملتی ان میں مختلف قسم کا نقص پیدا ہو جاتا ہے مثلاً جسمانی نشوونما میں کمی۔ دماغ کا ہلکا پن۔ حتی کہ یہ چیزیں بعض اوقات ان کی قبل از وقت موت کا باعث ہو جاتی ہیں۔

محرومی کا بونا پن نامی بیماری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ٹھیک طرح سو نہیں پاتا، اس کا نظام ہضم ٹھیک طرح کام نہیں کرتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسپتالوں میں جہاں چھوٹے بچے بیڈ پر ڈال دئے جاتے ہیں، پیٹھ کے بل دیر دیر تک پڑے رہنے سے ان کے سر کا پچھلا حصہ گنجا ہو جاتا ہے کیوں کہ وہاں کوئی ماں بار بار کروٹ بدلنے کے لئے موجود نہیں ہوتی۔ ماں باپ سے محروم ہو کر دار الاطفال میں پرورش پانے والے بچے اپنے ذہنی اور جسمانی ارتقاء سے محروم رہتے ہیں۔

ڈاکٹر گارڈنر (Dr. Gardner) کا کہنا ہے کہ مطالعہ بتاتا ہے کہ دماغ کی اعلیٰ سطح سے ارتعاشات (Impulses) اٹھتے ہیں۔ یہ ارتعاشات جسمانی نظام میں داخل ہو کر مختلف قسم کے ہارمون پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں جو زندگی کی نشوونما کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ انھیں میں سے ایک وہ ہے جو پروٹین کو شکر میں تبدیل کرتا ہے۔ ماں باپ کی محبت سے محروم ہو کر جو بچے پرورش پاتے ہیں ان میں یہ قدرتی عمل کم ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا جسم حاصل شدہ پروٹین کو پوری طرح استعمال نہیں کر پاتا جو ان کے نشوونما کے لئے انتہائی ضروری ہے

یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت کے راستہ سے ہٹنا کس قدر تباہ کن ہے۔ انسان خدا کی بنائی ہوئی دنیا سے ہٹ کر اپنے لئے کوئی دوسری دنیا نہیں بنا سکتا۔ اس کے لئے لازم ہے کہ اسی دنیا کے ساتھ مطابقت کرے۔ اگر وہ فطرت کی شاہراہ کو چھوڑ کر اپنے لئے کوئی دوسری شاہراہ بنانا چاہے گا تو وہ صرف ناکامی اور بربادی پر ختم ہوگا۔ اس کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں

پریس فنڈ

اسلامی مرکز کا اشاعتی کام اب خدا کے فضل سے کافی بڑھ گیا ہے۔ اس کو وقت پر اور معیار کے مطابق انجام دینے کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اسلامی مرکز کا خود اپنا پریس ہو۔ اس سلسلہ میں اس سے پہلے بھی اعلان کیا جا چکا ہے۔ اب ہم نے اللہ کے بھروسہ پر فیصلہ کر لیا ہے کہ خود اپنا آفسٹ پریس قائم کریں

اس مقصد کے لئے اسلامی مرکز کی طرف سے ایک پریس فنڈ کھولا گیا ہے۔ ہم اپنے تمام بزرگوں اور بہی خواہوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ پریس فنڈ میں مالیاتی حصہ لے کر اس اسکیم کو کامیاب بنائیں

سکریٹری اسلامی مرکز

کہانی بن گئی

سر ونسٹن چرچل جو بعد کو برطانیہ کے وزیر اعظم بنے، افریقہ کے بوئروں کی جنگ (۱۸۹۹) میں برطانی اخبار مارننگ پوسٹ کے جنگی نامہ نگار تھے۔ اس دوران ایک واقعہ پیش آیا جس کو جنوبی افریقہ کے سابق وزیر اعظم جان کرسچین سمٹس نے چرچل کے عروج کے زمانہ میں سنایا۔ وہ چرچل کی موجودگی میں وائٹ ہاؤس (واشنگٹن) کے ڈنر کے موقع پر تقریر کر رہے تھے۔

انھوں نے بتایا کہ بوئر وار کے دوران مسٹر چرچل برطانوی سپاہیوں کے ایک دستہ کے ساتھ بوئروں کے ہاتھوں پکڑے گئے۔ بوئروں نے سپاہی اور اخباری نامہ نگار میں کوئی تمیز نہیں کی۔ انھوں نے سب کو ایک ساتھ جیل میں ڈال دیا۔

مسٹر چرچل نے جیل سے اس واقعہ کی رپورٹ مجھے بھیجی اور اپنی فوری رہائی پر زور دیا۔ کیونکہ بین اقوامی رواج کے مطابق اخباری رپورٹر کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اس خط پر کارروائی شروع کی مگر اس سے پہلے کہ اس کیس کا فیصلہ ہو مسٹر چرچل کسی نہ کسی طرح جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اس واقعہ کے کافی عرصہ بعد میری ملاقات مسٹر چرچل سے ہوئی جو اس وقت برطانوی کابینہ کے رکن تھے۔ میں نے وہ واقعہ یاد دلایا تو مسٹر چرچل بولے: آپ نے اچھا کیا کہ میرے خط پر میری درخواست کے باوجود فوری کارروائی نہ کی۔ اگر آپ جلدی میں میری رہائی کا انتظام کرا دیتے تو میرا نو ہزار پونڈ کا نقصان ہو جاتا۔ "وہ کیسے" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "وہ اس طرح کہ میں نے اپنی جیل سے فرار ہونے کی داستان ایک رسالہ کے لئے لکھ کر نو ہزار پونڈ میں فروخت کیا۔"

مسٹر چرچل اگر آسانی سے رہا ہو جاتے تو یہ واقعہ ایک سادہ واقعہ ہوتا وہ کہانی نہ بنتا۔ مگر گرفتاری اور اس کے بعد جیل سے فرار نے اس کو کہانی بنا دیا۔

اعلان

۱. خط و کتابت میں ہمیشہ اپنا پورا پتہ لکھیں۔
۲. ہمیشہ اپنا خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر تحریر فرمائیں۔

سیاحت

سیاحت موجودہ زمانہ میں ایک عظیم انڈسٹری ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مختلف قسم کے اعداد و شمار نہایت اہتمام کے ساتھ جمع کئے جاتے ہیں۔ ہر ملک کی وزارت سیاحت ان کا خصوصی مطالعہ کرتی ہے اور ان کی بنیاد پر ترقیاتی نقشے بناتی ہے۔

ایک تخمینہ میں بتایا گیا ہے کہ عرب ملکوں کے سیاح ہر سال سیاحت پر جو رقم خرچ کرتے ہیں اس کی مقدار گیارہ بلین ڈالر سے اوپر ہے۔ یعنی ہندستانی سکہ میں تقریباً ایک سو دس کھرب روپیہ یہ رقم دنیا بھر میں سیاحی پر خرچ کی جانے والی کل رقم کا دس فی صد حصہ ہے۔ یورپ میں جانے والا ایک عرب اوسطاً ۸۶۰ پونڈ خرچ کرتا ہے۔ یہ دنیا کے کسی بھی ملک کی فی سیاح خرچ کی جانے والی رقم سے بہت زیادہ ہے۔

قرآن میں سیاحت کو اہل ایمان کی صفت بتایا گیا ہے۔ مگر اس سیاحت کا مقصد صرف دو ہوتا ہے۔ دنیا کے واقعات سے عبرت اور نصیحت لینا۔ یا دعوت و تبلیغ کرنا۔ گویا مومن کی سیاحت دینی سیاحت ہوتی ہے نہ کہ تفریحی سیاحت۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں، خصوصاً عربوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے کہ وہ دنیا بھر میں سفر کریں اور اس کی ہر ممکن قیمت ادا کر سکیں۔ اگر مسلمانوں کے اندر صحیح شعور زندہ ہو تو یہ موقع ان کے لئے زبردست دینی فائدہ کا ذریعہ بن جائے۔

مگر موجودہ حالت میں مسلمانوں کو بے پناہ رقم خرچ کرنے کے باوجود نہ پہلا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور نہ دوسرا فائدہ۔ دنیا بھر کی سیاحت کے باوجود نہ وہ دنیا سے عبرت اور نصیحت کی غذا حاصل کر سکے۔ اور نہ دنیا کے سامنے خدا کے دین کی گواہی دے سکے۔

اس کی وجہ مسلمانوں کی بے مقصدیت ہے۔ آج مسلمانوں کے سامنے کوئی اونچا مقصد نہیں، اس لئے وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جدید مواقع کو وہ کس طرح اپنے حق میں استعمال کریں۔ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کے قائدین نے انھیں صرف جھوٹے فخر کی غذا دی ہے۔ اور جھوٹا فخر بلاشبہہ سب سے زیادہ بری خوراک ہے جو اس دنیا میں کسی کو دی جا سکتی ہے۔ جن لوگوں کے ذہن میں جھوٹا فخر سما جاتا ہے وہ اپنے آپ کو کچھ کرنے سے فارغ سمجھ لیتے ہیں۔ وہ چاہنے لگتے ہیں کہ ان کے لئے کیا جائے نہ کہ وہ دوسروں کے لئے کریں۔

یہ انسان

لوگوں کو دیکھئے تو وہ یا تو "ملت" کے مسائل پر باتیں کرتے ہوئے ملیں گے یا زیادہ سے زیادہ دین کے ظاہری پہلوؤں پر۔ دین کے معنوی پہلوؤں پر بات کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ شاید انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ صرف دکھائی دینے والی چیزوں میں اپنی توجہ لگا پاتا ہے۔ جو چیز دکھائی نہ دے اس میں توجہ لگانا اس کے لئے سب سے زیادہ مشکل کام رہا ہے۔ ماضی میں بھی اور آج بھی

انسان ان چیزوں کو اپنا معبود بناتا ہے جو اس کو دکھائی دیتی ہیں اور جو چیز دکھائی نہیں دیتی، اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس طرح اس کو اپنا معبود بنائے۔ وہ ان کاموں میں بآسانی مشغول ہو جاتا ہے جو دکھائی دیں مگر جو کام بظاہر دکھائی نہ دیتے ہوں ان میں مشغول ہونا وہ نہیں جانتا جو چیز محسوس طور پر سامنے موجود ہو اس کی اہمیت کو وہ خوب جان لیتا ہے مگر جو چیز محسوس طور پر اس کے سامنے موجود نہ ہو اس کو وہ اس طرح نظر انداز کر دیتا ہے جیسے وہ اس کو جانتا ہی نہیں۔

یہ ظاہر پرستی ہی انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس کمزوری کا آخری اظہار وہ ہے جس کو شرک کہا جاتا ہے۔ نیز اس کمزوری کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ آدمی دین پر ایمان لانے کے باوجود دین میں ترقی نہیں کرتا۔

مشرک وہ ہے جو نہ دکھائی دینے والے خدا کو مانتے ہوئے کچھ دکھائی دینے والی چیزوں کو بھی خدا بنا لے۔ ملحد وہ ہے جو یہ کہہ کر سرے سے کسی خدا کا انکار کر دے کہ وہ اس کو دکھائی نہیں دیتا۔ یہ گمراہی کی زیادہ سنگین قسمیں ہیں۔

مگر یہاں ایک اور چیز ہے جو اپنے انجام کے اعتبار سے کم اہم نہیں۔ وہ ہے ایمان کے باوجود ایمان کا بے اثر رہنا۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آدمی خدا پر ایمان لائے مگر وہ خدا کو دیکھ نہ سکے۔ وہ خدا کو مانے مگر اس نے گہرائی کے ساتھ اس کا ادراک نہ کیا ہو۔ وہ خدا کا معتقد ہو مگر محسوسات سے بلند ہو کر وہ خدا کو اپنا مرکز توجہ نہ بنا سکے۔

مزید یہ کہ غیر محسوس خدا کو نہ پانا گویا چھپی ہوئی معنویت کو نہ پانا ہے۔ ایسا شخص انھیں انسانوں کو پہچان پاتا ہے جو اپنے گرد ظاہری اشیاء کا ڈھیر جمع کئے ہوئے ہوں۔ جو انسان اپنے اندر معنویت کا خزانہ لئے ہوئے ہو وہ اس کے لئے نامعلوم رہتا ہے۔ خدا کو کھونے والا بالآخر معنویت کو بھی کھو دیتا ہے۔

بلا تحقیق

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ کو مسز اندرا گاندھی کا قتل ہوا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ قتل کا یہ واقعہ وزیر اعظم کے حفاظتی دستہ کے دو سکھ جوانوں نے کیا ہے تو سکھ فرقہ کے خلاف تشدد بھوٹ پڑا۔ یکم نومبر اور ۲ نومبر کی درمیانی شب میں راقم الحروف دہلی (نظام الدین) میں اپنے مکان میں لیٹا ہوا تھا کہ گیارہ بجے رات کو ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ایک صاحب بتا رہے تھے کہ دہلی کے پانی میں زہر ملا دیا گیا ہے، اس لئے نل کا پانی استعمال نہ کیا جائے۔ چند منٹ بعد دوبارہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ایک اور صاحب نے یہی خبر سنائی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کی گھنٹی نے متوجہ کیا۔ باہر نکلا تو سڑک پر کئی نوجوان اسی خبر کو بتانے کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر ایک وفد نے دروازہ کی گھنٹی بجا کر یہی خبر سنائی۔ جلد ہی بعد نظام الدین بستی کی مسجدوں میں لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکر گونج اور مسلسل یہ اعلان کیا جانے لگا کہ ـــــ خبر ملی ہے کہ پانی میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ آپ لوگ نلوں کا پانی بالکل استعمال نہ کریں۔

تقریباً دو گھنٹے تک ان خبروں اور اعلانات کا ہنگامہ لوگوں کی نیند کو درہم برہم کرتا رہا۔

خبر ملتے ہی ہم نے فوری طور پر یہ کیا کہ ریڈیو کھولا اور بارہ بجے رات اور ایک بجے رات کو دہلی ریڈیو سے نشر ہونے والا پروگرام سنا۔ دونوں بار ریڈیو نے واضح لفظوں میں بتایا کہ یہ افواہ بالکل غلط ہے کہ پانی میں زہر ملا دیا گیا ہے۔ سرکاری طور پر باقاعدہ پانی کا ٹسٹ لیا گیا ہے اور مکمل طور پر درست پایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہم نے دہلی پولس کو نمبر ۱۰۰ پر ٹیلیفون کیا۔ انھوں نے بھی کہا کہ پانی میں زہر ملانے کی افواہ سراسر غلط ہے۔ پانی بالکل ٹھیک حالت میں ہے۔ جانچ کے بعد اس میں کوئی خرابی نہیں پائی گئی۔

۲ نومبر کی صبح کو اخبارات دیکھے تو پہلے ہی صفحہ پر دہلی میونسپل کمشنر مسٹر پی پی سری واستو کا یہ بیان موجود تھا کہ دہلی میں نل کا پانی بالکل صحیح ہے۔ اس کا بار بار ٹسٹ لیا گیا ہے اور کسی طرح کی زہریلی آمیزش اس میں نہیں پائی گئی۔ انھوں نے مزید کہا کہ ۳۱ اکتوبر ہی سے پانی کے تمام فلٹریشن پلانٹ پر سخت حفاظتی پہرہ بٹھا دیا گیا ہے۔

سماجی زندگی میں اکثر بگاڑ صرف اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ ایک خبر سنتے ہیں اور بلا تحقیق اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔ اگر اسلام کے حکم کے مطابق خبروں کی تحقیق کی جانے لگے تو اکثر جھگڑے اور فساد پیدا ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں۔

موجودہ دینی مدارس

دینی مدارس، بلاشبہہ موجودہ زمانہ میں اہم دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کے افادی پہلو پر اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے کہ میری طرف سے اس سلسلے میں صرف تصدیق کافی ہے۔ اس پر مزید اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

تاہم دینی مدارس کی بعض علامات مثلاً ان میں باہمی اختلاف بلکہ تصادم یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان میں مسلّمہ خوبیوں کے باوجود، کوئی کمی ہے۔ اگر کمی نہ ہو تو یہ ناممکن ہے کہ یہ مدارس مسلمانوں کی باہمی جنگ کا میدان بن جائیں۔ حالاں کہ مسلمانوں کی باہمی جنگ سراسر حرام ہے۔

میرے نزدیک وہ کمی یہ ہے کہ یہ مدارس اپنے افراد کو صرف داخلی نشانہ دیتے ہیں، وہ ان کو کوئی خارجی نشانہ نہیں دیتے۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ داخلی نشانہ بالآخر باہمی ٹکراؤ پیدا کرتا ہے۔ جب کہ خارجی نشانہ یہ کرتا ہے کہ قوتوں کو خارج کی طرف موڑ کر لوگوں کو آپس کے تصادم سے بچا لیتا ہے۔ وہ قوتوں کو خارجی محاذ پر لگا دیتا ہے۔

موجودہ دینی مدارس کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ وہ تحفظ کی نفسیات کے زیر اثر وجود میں آئے۔ چنانچہ ان کا سارا نظام اور نصاب تحفظ کے مقصد کے تحت بنا۔ بالفاظ دیگر ان مدارس نے اول روز سے مسلمانوں کو صرف داخلی نشانہ دیا۔ وہ ان کو کوئی خارجی نشانہ نہ دے سکے۔ اور جس قوم کے افراد کے پاس صرف داخلی نشانہ ہو وہ ایک حد پر پہنچ کر ہمیشہ آپس میں ٹکرانا شروع کر دیتے ہیں۔

قرآن میں دینی تعلیم کا جو تصور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ایسے افراد تیار ہوں جو غیر مسلم اقوام پر انذار کا کام کریں (التوبہ ۱۲۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی اداروں کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ قوم کے افراد کو عمل کا خارجی نشانہ دے سکیں۔

تاہم خارجی نشانہ سے میری مراد پرامن خارجی نشانہ ہے نہ کہ اس قسم کا جارحانہ خارجی نشانہ جس کو موجودہ زمانہ کے جھوٹے قائدین نے دریافت کیا ہے۔

خارجی نشانہ سے میری مراد وہی چیز ہے جس کو قرآن میں انذار کہا گیا ہے۔ یعنی پرامن دعوت کے ذریعہ اہل عالم کو خدا کے پیغام سے باخبر کرنا۔ موجودہ مدارس میں اگر تعلیم کے ساتھ دعوت کو بھی اس کی صحیح اور موثر صورت میں شامل کر دیا جائے تو مدارس زیادہ بامقصد بن جائیں اور زیادہ مفید بھی۔

قومی نفسیات

اخبار الجمعیۃ (دہلی) کے اڈیٹر نے پاکستان کا سفر کیا تھا۔ وہاں وہ مولانا تھانوی کے خلیفہ مولانا احتشام الحق تھانوی (۱۹۱۵ - ۱۹۸۰) سے ملے تھے۔ مولانا مرحوم نے اڈیٹر صاحب سے دیوبند میں اپنی طالب علمی کا ذکر کیا۔ اس ضمن میں انھوں نے ایک واقعہ بیان کیا جس کو انھوں نے اپنے مطبوعہ سفرنامہ میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

مولانا احتشام الحق تھانوی نے مولانا حسین احمد مدنی کی انگریز دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ بیان کیا کہ انگلستان کی موجودہ ملکہ الزبتھ کے دادا کی تاج پوشی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی کا (دارالعلوم) دیوبند میں حدیث کا درس ہو رہا تھا۔ کسی طالب علم نے مولانا مدنی کی خدمت میں ایک پرچہ بھیجا۔ اس میں لکھا تھا کہ آج بادشاہ کی تاج پوشی کا دن ہے۔ اس لئے برطانوی حکومت کے لئے بددعا ہونی چاہئے۔ مولانا مدنی نے فوراً درس روک دیا۔ کتاب بند کر دی اور فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔ اور اس کے بعد مولانا نے کچھ اس انداز میں (بد) دعا کرانی شروع کی کہ طلبہ پر رقت طاری ہوگئی (روزنامہ الجمعیۃ دہلی، ۱۳ نومبر ۱۹۷۹)

یہ واقعہ موجودہ زمانہ کے مسلم قائدین کی نفسیات کی نمائندگی کرتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تقریباً تمام قائدین کا یہ حال رہا ہے کہ دوسری قومیں ان کے لئے نفرت اور عداوت کا موضوع بن گئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دوسری قوموں کو انھوں نے اپنا حریف اور رقیب سمجھا۔ ان کو وہ اپنے دین کا مدعو نہ سمجھ سکے۔

قومی ذہن اور دعوتی ذہن دونوں بالکل الگ الگ ذہن ہیں اور دو مختلف نفسیات بناتے ہیں۔ قومی حریف کے لئے آدمی کے اندر نفرت اور دشمنی کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اس کے برعکس جب یہ ذہن ہو کہ ہم خدا کے دین کے داعی ہیں اور دوسری قومیں خدا کے دین کی مدعو، تو ان کے لئے ہمارے دل میں خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات امنڈنے لگیں گے۔

حریف کے لئے آدمی کے اندر سے بددعا کے کلمات نکلتے ہیں اور مدعو کے لئے دعا کے کلمات۔ مگر اس قسم کی بددعا سراسر خدائی منصوبہ کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کی زبان سے نکلنے کے باوجود وہ آج تک خدا کی بارگاہ میں قبول نہ ہو سکی۔

اسلام کیا ہے

موجودہ زمانہ میں جب یہ کہا گیا کہ "مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے" تو اس کے جواب میں پر جوش طور پر یہ اعلان کیا گیا کہ "مذہب ایک مکمل اجتماعی نظام ہے" بظاہر دونوں گروہ ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں۔ مگر دونوں کے درمیان ایک چیز مشترک ہے۔ دونوں ہی گروہ مذہب کا تصور ایک "ڈھانچہ" کی صورت میں کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلا گروہ اس کو انفرادی ڈھانچہ کے معنی میں لیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ اجتماعی ڈھانچہ کے معنی میں۔

مگر مذہب اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے نہ انفرادی ڈھانچہ ہے اور نہ اجتماعی ڈھانچہ۔ وہ ایک ربانی طریقہ ہے۔ مذہب (اسلام) کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے خدا کی معرفت حاصل کرے۔ وہ غیبی حقیقت کو اپنے لئے مشہود حقیقت بنائے۔ اس کے قلب و دماغ پر خدا اور آخرت کا اتنا غلبہ ہو کہ وہ ہر وقت اسی کی بابت سوچے۔ اس کی زندگی کا ہر رویہ اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو۔

اسلام کا اصل مقصد ربانی انسان کو وجود میں لانا ہے۔ ایک ایک فرد کو خدا کی محبت اور خوف میں ڈھالنا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ ہر انسان اپنے وجود کے اندر اس ربانی انسان کی تخلیق کرے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرے۔ جو سب سے زیادہ آخرت کے لئے فکر مند ہو۔ جو اپنے روزمرہ کے معاملات میں سب سے زیادہ خدا کی مرضی کا لحاظ کرے، جو نفس اور شیطان کو چھوڑ کر ایک خدا کے آگے جھک جائے۔

ایمان و اسلام کیا ہے۔ یہ در اصل ایک دریافت (Discovery) ہے۔ خدا کی دریافت۔ ایک بندہ جب ظاہری چیزوں سے گزر کر حقیقت کو دیکھ لیتا ہے، جب وہ مخلوقات سے اوپر اٹھ کر خالق کو پا لیتا ہے تو اسی کا نام ایمان و اسلام ہے۔ یہ ایک ایسا دیکھنا ہے جس کو لوگوں نے نہیں دیکھا۔ یہ ایک ایسا پانا ہے جس کو لوگوں نے نہیں پایا۔ ایمان و اسلام ایک تجربہ ہے جو انسانی روح میں ایک بھونچال پیدا کر دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت کی زد میں آنا ہے جو آدمی کے پورے وجود کو کچھ سے کچھ بنا دیتا ہے۔ یہ پیدا شدہ انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا مخاطب فرد ہے نہ کہ اجتماع۔ اجتماع کے اندر وہ نفسیاتی واقعات ظہور ہی میں نہیں آتے جو اسلام کا اصل مقصود ہیں۔ اجتماع کو اسلام کا مخاطب بنانا اسلام کو گھٹانا ہے نہ کہ اس کو مکمل کرنا۔

ایمان بڑھتا ہے

ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیہا حسناً　　اور جو شخص نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس کی خوبی بڑھائیں گے۔ (الشوریٰ ۲۳)

نیکی کرنے والے کی خوبی میں اضافہ کرنے کا مطلب کیا ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ نیکی کے ثواب میں سے یہ ہے کہ نیکی کے بعد نیکی کی توفیق حاصل ہو اور برائی کے بدلہ میں سے یہ ہے کہ برائی کے بعد آدمی کو اور برائی کا موقع دیا جائے (قال بعض السلف ان من ثواب الحسنۃ الحسنۃ بعدھا ومن جزاء السیئۃ السیئۃ بعدھا، تفسیر ابن کثیر، الجزء الثالث صفحہ ۱۱۴)

نیکی کرنا انسان جیسی مخلوق کے لئے ایک شعوری واقعہ ہے۔ آدمی جب ایک نیکی کرتا ہے تو وہ ایک برائی کو ارادی طور پر چھوڑتا ہے اور ایک نیکی کو ارادی طور پر اختیار کرتا ہے۔ اس طرح ایک حقیقی نیکی کرنے والا آدمی نیکی کرکے اپنے شعور اور ارادہ کو متحرک کرتا ہے۔ وہ اپنی نفسیات کو جگاتا ہے اور اپنی روح کے اندر آمادگی کی فضا پیدا کرتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نیکی آدمی کو ایک نیا انسان بنا دیتی ہے۔ ہر نیکی کے بعد آدمی مزید اور نیکی کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ نیکی موجودہ دنیا میں ایک عمل ہے اور اسی کے ساتھ مزید عمل کا محرک بھی۔

دنیا میں ایک جمادات ہیں اور دوسرے نباتات۔ پتھر ایک جامد چیز ہے۔ وہ بس ایک حال میں پڑا رہتا ہے۔ اس کے برعکس درخت ایک نمو پذیر چیز ہے۔ وہ برابر بڑھتا رہتا ہے۔ قرآن میں مومن اور ایمان کی مثال درخت سے دی گئی ہے (ابراہیم ۲۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا معاملہ پتھر جیسا معاملہ نہیں ہے کہ بس ایک حالت پر پڑا رہے۔ وہ برابر بڑھتا رہتا ہے۔ اس پر کبھی ٹھہراؤ نہیں آتا۔

قرآن میں مختلف مقامات پر بتایا گیا ہے کہ ایمان ایک اضافہ پذیر حقیقت ہے۔ یہاں قرآن کے چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں:

جب قرآن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے (الانفال ۲)

خدا کے لئے قربانی کے مواقع کو دیکھ کر مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے (آل عمران ۱۷۳)

اہل ایمان کے تقویٰ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے (محمد ۱۷)

ہدایت پانے والوں کی ہدایت برابر بڑھتی رہتی ہے (مریم ۷۶)

ایمان والوں کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے (الاسراء ۱۰۹)

دریافت ہوتی ہے۔ اس دریافت کے وقت دریافت کرنے والے کے دل اور زبان پر جو تجربہ گزرتا ہے اسی کا دوسرا نام ذکر ہے۔

۱۶ جولائی ۱۹۶۹ کی رات تمام اخباروں کے دفتروں میں زبردست سرگرمیوں کی رات تھی۔ اسی روز پہلا انسان (آرم اسٹرانگ) چاند پر اترا تھا اور اخباروں کے دفتر میں ٹیلی پرنٹر پر مسلسل خبریں آرہی تھیں۔ جن کو اخبارات کا اسٹاف کل صبح کے اخبار کے لئے تیزی سے لے رہا تھا۔

اس روز رات کو میں ایک اخبار کے دفتر میں گیا۔ اخبار کے نیوز اڈیٹر اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے ان کے سامنے میز پر کاغذات کا ڈھیر لگا تھا۔ میں نے تازہ واقعہ کے بارے میں دریافت کیا تو ان کی زبان سے نکلا:

"بڑی تھرلنگ نیوز آرہی ہیں"

میں نے سوچا کہ انسان زمین سے سفر کرکے آسمان تک پہنچ گیا تو اس خبر کو سن کر لوگوں کے اندر Thrill پیدا ہو رہا ہے۔ مگر زمین اور چاند کو دیکھ کر اور ان کے درمیان حیرت انگیز نظام کا مشاہدہ کرکے آدمی کے اندر تھرل پیدا نہیں ہوتا۔ انسانی واقعات پر تھرل مگر خدائی واقعات پر کوئی تھرل نہیں۔

انسانی کرشمہ کو دیکھ کر اڈیٹر کی زبان سے جو جملہ نکلا، اسی قسم کے الفاظ جب خدائی کرشمہ کو دیکھ کر نکلنے لگیں تو اسی کا نام دین کی اصطلاح میں ذکر ہے۔

مسئلہ کا حل

ایک کہاوت ہے ـــــ خود کو بدل دو، قسمت خود بخود بدل جائے گی۔ اسی طرح ٹی ایس ایلیٹ نے کہا ہے: "اگر تم کسی گول چھید میں جا پڑو تو تمہیں اپنے آپ کو گیند بنا لینا چاہئے۔"

دونوں جملے ایک ہی بات کو دو مختلف پہلوؤں سے واضح کر رہے ہیں۔ وہ یہ کامیابی کا راز حالات سے مطابقت Adjustment میں ہے نہ کہ حالات سے ٹکراؤ میں۔ دنیا میں رہتے ہوئے بار بار مختلف قسم کے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔ کبھی آدمی قدرت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ کبھی ماحول کے مقابلہ میں اور کبھی کسی اور چیز کے مقابلہ میں۔ ایسے ہر موقع پر عقلمند آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ لڑنے کی کوشش نہ کرے بلکہ خارجی حالات کی رعایت کرتے ہوئے اپنی راہ نکالے۔

جاپان ایک ایسا ملک ہے جہاں اکثر زلزلے آتے ہیں بے حساب جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ یہ ایک بیحد شکل مسئلہ تھا۔ جاپان والوں نے اس کا حل یہ نکالا کہ وہ پختہ مکانات کم بنائیں۔ وہ لکڑی اور بانس وغیرہ کے مکانات بنا کر اس میں رہنے لگے۔ لکڑی اور بانس کا مکان اگر گر بھی جائے تو اس کا نقصان کم ہوتا ہے نیز اس کے بقیہ اجزاء کسی حد تک دوبارہ استعمال ہو سکتے ہیں۔

زلزلہ میں انسان کا مقابلہ قدرت سے ہوتا ہے۔ یہاں انسان بالکل بے بس ہے۔ چنانچہ جاپان والے یہاں جھک گئے۔ انھوں نے یک طرفہ طور پر اپنے آپ کو جھکا کر اپنے مسئلہ کا حل نکال لیا۔

ٹویوٹا (Toyota) کا لفظ آج جاپانی کار کے ہم معنی بن گیا ہے۔ مگر پندرہ سال پہلے یہ لفظ جاپان میں ٹکسٹائل انڈسٹری کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ جاپان کی ٹویوٹا کمپنی نے ابتداءً ٹکسٹائل انڈسٹری (کپڑے کی صنعت) سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ مگر جاپان ٹکسٹائل انڈسٹری کے لئے موزوں ملک ثابت نہیں ہوا۔ کمپنی اس کاروبار میں کامیاب نہ ہو سکی۔ ٹویوٹا والوں نے اس تجربہ کے بعد نیا میدان اختیار کر لیا۔ وہ موٹر کار کی صنعت میں داخل ہو گئے۔ یہاں ان کو فضا اپنے موافق ملی۔ انھوں نے تھوڑے عرصہ میں زبردست ترقی کی۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کی سڑکوں پر جاپانی کاریں دوڑنے لگیں۔

اس دوسری مثال میں جاپان کو ملکی اور جغرافی رکاوٹوں کا سامنا تھا۔ جاپانیوں نے یہ کیا کہ انھوں نے اپنے عمل کا میدان بدل دیا۔ اس کے بعد کامیابی ان کے لئے اسی طرح یقینی ہو گئی جس طرح کوئی شخص دیوار کی طرف سے نکلنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔ اور پھر وہ دروازہ کی طرف سے نکلنے کی تدبیر کر لے۔

جاپان کے چار بڑے اخباروں میں سے ایک اخبار خسارہ میں چلا گیا۔ ہاتھی کا ایک پاؤں ٹوٹ

زور والے بے زور ہوں گے

دیا سلائی بنانے والے نے جب دیا سلائی بنائی تو اس نے جاننا چاہا کہ اس کی دیا سلائی کس حد تک جلانے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس نے کچھ لکڑی جمع کی اور اس کو جلا کر اس کا تجربہ کیا۔ اس کے بعد وہ وقت آیا جب جانوروں پر طرح طرح کے تجربے کئے جانے لگے۔ جانوروں کو زہریلی چیزیں کھلانا، جانوروں کے جسم کے کسی حصہ کو بیکار کرنا، جانوروں کو مار کر ان کا جائزہ لینا، وغیرہ۔ اب تجربات کا یہ سلسلہ اپنے تیسرے دور میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ انسانوں پر تجربہ ہے۔ دنیا کی کچھ قومیں جنھوں نے "بڑی طاقت" کا مقام حاصل کر لیا ہے۔ وہ ہلاکت خیز ہتھیار بناتی ہیں اور ان کی ہلاکت خیزی کا تجربہ کرنے کے لئے ان کو کمزور قوموں پر استعمال کرتی ہیں۔ نیٹو (NATO) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسپین کی سول وار میں ہٹلر نے اپنے ٹینک اور بمبار ہوائی جہازوں کو بے تکلف استعمال کیا۔ اس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ ہلاک یا معذور ہو گئے۔ تاہم ہٹلر نے فتح کی خوشی منائی۔ کیوں کہ اس کا مقصد اپنے ہتھیاروں کی ہلاکت خیزی کو جاننا تھا اور وہ حاصل ہو گیا۔ اسی طرح ویٹ نام کی جنگ میں امریکہ نے اپنے ہیلی کوپٹر اتنی زیادہ تعداد میں اڑائے کہ زمین پر ان کے سایہ سے اندھیرا چھا گیا۔ یہ تاریخ کی پہلی جنگ تھی جس میں جنگی ہیلی کوپٹر استعمال کئے گئے۔ ویٹ نام کا چھوٹا سا ملک تباہ ہو گیا۔ تاہم امریکہ اپنے مقصد میں کامیاب تھا۔ وہ اپنے ہیلی کوپٹروں کی جنگی قوت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا اور ویٹ نام کو قبرستان بنا کر اس نے یہ اندازہ کر لیا۔ اب روس یہی کام افغانستان میں کر رہا ہے۔

روس نے بھاری قسم کے جنگی ہیلی کوپٹر بنائے ہیں۔ وہ ان کی مار کا اندازہ کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس کو کمزور افغانستان کی سرزمین حاصل ہو گئی ہے۔ اس نے افغانستان کو اپنے جدید ترین جنگی ہتھیاروں کی تجربہ گاہ بنا دیا ہے۔ لاکھوں لوگ قتل اور برباد ہو رہے ہیں۔ بے شمار لوگ اپنے وطن کو چھوڑ کر پڑوسی ملک میں پناہ لے رہے ہیں۔ تاہم روس کا مقصد حاصل ہے۔ افغانوں کی زمین کو قبرستان بنا کر وہ اپنے جنگی ہتھیاروں کا تجربہ کر رہا ہے (ہندستان ٹائمس یکم اپریل ۱۹۸۰)

یہ دنیا کیا اندھیر نگری ہے۔ کیا خدا نے یہاں کچھ لوگوں کو طاقت ور بنا کر بھیج دیا کہ وہ اپنے طاقت ور ہونے کا انعام پائیں۔ اور کچھ لوگوں کو کمزور بنا کر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے کمزور ہونے کی سزا

لڑکا بائیسکل پر سوار ہوا۔ وہ گھنٹی بجاتا اور ہینڈل اِدھر اُدھر گھماتا ہوا خوشی سے چل رہا تھا یہاں تک کہ وہ ایک دکان کے سامنے جاکر رکا۔ اس نے اپنی بائیسکل باہر کھڑی کی اور دکان کے اندر چلا گیا۔ جب وہ رومال خرید کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید فام لڑکا اس کی بائیسکل پر سوار ہو کر دوڑا چلا جارہا ہے۔ اس نے دوڑ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ناکام رہا۔

پھولتی ہوئی سانس کے ساتھ جب اس نے ایک پولیس والے سے شکایت کی تو اس نے اس کے کالے رنگ کو دیکھ کر حقارت سے اپنا منھ دوسری طرف پھیر لیا۔ یہ موقع تھا کہ لڑکے کے دل میں سفید فام لوگوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے اندر خود اپنے احساس کے خلاف شدید جذبہ ابھر آیا کہ ہم اپنے کالے رنگ کی وجہ سے اپنے کو کم کیوں سمجھتے ہیں۔ جس طرح سفید ایک رنگ ہے اسی طرح کالا بھی ایک رنگ ہے۔ پھر اس کی وجہ سے ہم احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہوں۔

لڑکے نے پولیس والے سے کہا کہ اگر مجھ کو وہ سفید فام لڑکا مل گیا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا پولیس والا ہنستا ہوا بولا "جاؤ، پہلے تم ناک توڑنے کی مشق کرو" اس جملہ میں جو طنز چھپا ہوا تھا اس نے لڑکے کو آخری حد تک جھنجھوڑ دیا۔ اس نے طے کرلیا کہ وہ اس چیلنج کا جواب دے گا۔ اس نے اسی دن سے باکسنگ کی مشق شروع کردی۔

یہ لڑکا محنت کرتے کرتے بالآخر ایک روز عالمی باکسنگ چیمپئن بن گیا۔ اب خوب صورت کیڈلک کار اس کے گھر کے سامنے اس کی منتظر رہتی۔ وہ ان ہوٹلوں میں ٹھہرنے لگا جن میں صرف شہزادے اور سربراہان مملکت ٹھہرتے ہیں۔ وہ دنیا بھر کے اخبارات کے صفحہ اول میں جگہ پانے لگا ——— یہ محمد علی کلے تھا جس نے تمام دنیا کے باکسروں کو ہرا کر باکسنگ کا عالمی اعزاز حاصل کیا ہے۔

محمد علی کلے نے ایک انٹرویو میں کہا "اگر میرا باپ اپنے کالے رنگ کی وجہ سے احساس کمتری کا اظہار نہ کرتا اور مجھ کو کار کے بجائے بائیسکل نہ دیتا تو آج میں عالمی باکسنگ کا چیمپئن بھی نہ بنتا۔ یہ دراصل اپنے پیچھے ہونے کا احساس تھا جس نے میرے اندر آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کیا۔

نوٹ: ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کیا گیا

سائنسی ترقیاں اور روحانی عقائد

موجودہ زمانہ میں سائنسی ترقیوں کے دو دور ہیں۔ ایک آئزک نیوٹن (۱۷۲۷-۱۶۴۲) سے لے کر البرٹ آئن سٹائن تک۔ اور دوسرا البرٹ آئن سٹائن (۱۹۵۵-۱۸۷۹) کے بعد۔

سائنسی ترقی کا تعلق مادی ترقی سے ہے۔ یعنی ان چیزوں کی ترقی سے جو ہر دیکھنے والے کو نظر آتی ہیں۔ اس کے برعکس روحانیت ایک ایسی چیز ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ سائنس کی دنیا مرئی ہے اور روحانیت کی دنیا غیر مرئی۔ نیوٹن کے بعد سائنس کا جو دور شروع ہوا اس میں بے شمار سائنسی ترقیاں ظہور میں آئیں۔ مادہ نے تبدیل ہو کر ایک پر رونق تہذیب کی صورت اختیار کر لی۔ اس کے مقابلہ میں روحانیت بدستور ایک غیر مرئی چیز بنی ہوئی تھی۔ ان حالات میں بہت سے لوگوں نے سمجھا کہ روحانیت ایک فرضی چیز ہے اور اس دنیا میں اصل وجود صرف مادہ کا ہے۔

مگر آئن سٹائن اور دوسرے سائنس دانوں کی تحقیقات نے اس نظریہ کو ختم کر دیا۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کی تمام چیزیں آخری طور پر جس چیز سے بنی ہیں وہ ایٹم ہے اور ایٹم ایک ٹھوس مادی ذرہ ہے جس کے مزید ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے۔ جدید تحقیقات نے ایٹم کو توڑ دیا۔ اب معلوم ہوا کہ مادہ کوئی ٹھوس چیز نہیں، وہ صرف ایک قسم کی منجمد توانائی ہے۔ مادہ کو جیسے ہی توڑا جاتا ہے وہ توانائی کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا دیکھنا ممکن نہیں۔

ایٹم کے ٹوٹنے کے بعد اب مادہ خود بھی اسی طرح غیر مرئی ہو چکا ہے جس طرح اس سے پہلے روحانیت کو غیر مرئی سمجھا جا رہا تھا۔ چنانچہ جدید سائنس داں یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ ہماری دنیا امکانات کی لہروں (Waves of probabilities) کے سوا اور کچھ نہیں۔

اس طرح جدید سائنسی ترقیوں نے ثابت کیا ہے کہ حقیقت اپنی آخری صورت میں غیر مرئی ہے۔ پہلے روحانیت اور مادیت دو الگ الگ چیزیں سمجھی جاتی تھیں۔ اب مادہ خود روحانیت میں تبدیل ہو گیا۔ سائنس اپنے ابتدائی مرحلہ میں روحانیت کی تردید کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی، مگر سائنس اپنے آخری مرحلہ میں پہنچ کر روحانیت کی تصدیق کرنے والی بن گئی۔ اس نے روحانی حقیقت کو ہمیشہ سے زیادہ ثابت اور مضبوط بنا دیا۔

روحانی عقیدہ دراصل معنوی حقیقتوں میں یقین کرنے کا دوسرا نام ہے۔ روحانیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ انسانی وجود میں جسم سے زیادہ اہمیت روح کو حاصل ہے۔ مادی

ترقیوں سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اخلاقی قدروں کو ترقی حاصل ہو۔ ظاہری رونقوں سے زیادہ بڑی چیز یہ ہے کہ انسان کو اندرونی سکون ملے۔ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو دکھائی نہیں دیتیں اور سائنس کے پہلے دور میں نہ دکھائی دینے والی چیزیں غیر واقعی سمجھی جانے لگی تھیں۔ اس بنا پر یہ سمجھ لیا گیا کہ سائنس اور روحانیت میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔ مگر اب جب کہ سائنس خود بھی ایک قسم کا روحانی علم بن چکا ہے، روحانیت کے بارہ میں اس قسم کا خیال قائم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

یہ سائنس اور روحانیت کا نظریاتی پہلو تھا۔ اب اس موضوع کے عملی پہلو کو دیکھئے۔ یہاں بھی بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس اور روحانیت میں ٹکراؤ ہے۔ دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ مگر یہ بات روحانیت کے غلط تصور کی پیدا کی ہوئی ہے۔ روحانیت کا صحیح تصور سامنے رکھا جائے تو سائنس اور روحانیت میں دوبارہ کوئی ٹکراؤ باقی نہیں رہتا۔

۱۹۶۱ میں نئی دہلی میں ایک بین اقوامی صنعتی نمائش ہوئی تھی۔ اس نمائش کو دیکھنے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ اس موقع پر ہر ملک نے اپنی اپنی صنعتی ترقیاں دکھائی تھیں۔ امریکی پویلین سب سے زیادہ زائرین کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کی وجہ وہ جدید طرز کی کار تھی جس کو "ہوائی موٹر کار" کہا جاتا تھا۔

میں اور دوسرے بہت سے لوگ ایک خاص میدان میں جمع تھے۔ اتنے میں ایک کار برآمد ہوئی۔ ڈرائیور نے پہلے اس کو زمین پر عام کار کی طرح چلایا۔ اس کے بعد کار اوپر اٹھی اور سطح زمین سے تقریباً چار فٹ بلند ہو کر چلنے لگی۔ اس طرح اس نے میدان کے چاروں طرف گول دائرہ میں چند چکر لگائے اور پھر نیچے آگئی۔

بتایا گیا کہ اس کار کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اوپر سے ہوا لے کر تیزی سے نیچے کی طرف پھینکتی ہے۔ یہاں تک کہ کار اور سطح زمین کے درمیان ایک طاقت ور ہوائی گدا بن جاتا ہے۔ کار اس ہوائی گدے پر تیرتی ہوئی چلتی ہے جس طرح کشتی پانی میں تیرتی ہوئی چلتی ہے۔

اس انوکھی کار کو دیکھنے والوں میں ایک نوجوان سادھو بھی تھا۔ گیروے کپڑے میں ملبوس اور لمبے بکھرے ہوئے بالوں والا یہ نوجوان ۲۰ منٹ تک امریکی کار کو دیکھتا رہا۔ اس کی محویت کو دیکھ کر ایک اخباری نمائندہ نے اس سے اس کا تاثر پوچھا۔ اس کا جواب یہ تھا:

"اس کو دیکھنے کے بعد میرے ذہن میں ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ کیا میں تیاگ

کی زندگی کو چھوڑ کر مادی ترقیوں کی دنیا میں اپنے حوصلے کی تسکین تلاش کروں۔ اس نمائش نے مجھے اس سوچ میں ڈال دیا ہے کہ روحانی اور مادی دونوں دنیاؤں میں سے کون سی دنیا ہے جس کو میں اپنے لئے زیادہ بہتر سمجھ کر اس کو امتیاز کروں" (ہندستان ٹائمس ۲۰ فروری ۱۹۶۱)

اس طرح کے واقعات سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سائنسی ترقی اور روحانیت کے درمیان ٹکراؤ ہے۔ ایک چیز کو لینا اسی وقت ممکن ہے جب کہ آدمی دوسری چیز کو چھوڑ دے۔ مگر اس کا انحصار اس پر ہے کہ آپ روحانیت کے کیا معنی لیتے ہیں۔ اگر روحانیت کا مطلب یہ ہو کہ آدمی دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلا جائے اور دنیا کی چیزوں سے کوئی مطلب نہ رکھے تو البتہ سائنس اور روحانیت دو متضاد چیزیں معلوم ہوں گی

لیکن اگر روحانیت کا دوسرا مطلب لیا جائے تو سائنس اور روحانیت کے درمیان کوئی ٹکراؤ باقی نہیں رہتا۔ روحانیت کا دوسرا مطلب ہے ـــــــ روح اور نفس کی پاکیزگی۔ اس دوسرے اعتبار سے روحانیت حسن تعلق کا نام ہے نہ کہ ترک تعلق کا۔

روحانیت سائنس کا الٹا لفظ نہیں ہے بلکہ مادیت کا الٹا لفظ ہے۔ روحانی آدمی غیر مادی ہوتا ہے نہ کہ غیر سائنسی۔ روحانیت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مادی چیزوں میں نہ جیتا ہو بلکہ روحانی چیزوں میں جیتا ہو۔ اس کی ایک ذہنی زندگی ہو جس کو اس سے کوئی چھین نہ سکتا ہو۔ اس کو ایک قلبی سکون حاصل ہو جو ظاہری نفع یا نقصان سے بے نیاز ہو۔ اس نے فکری سطح پر کوئی ایسی چیز پائی ہو جو اس کو دوسری تمام چیزوں سے اعلیٰ نظر آئے۔ وہ اپنے آپ پر قائم ہو نہ کہ اپنے سے باہر کی مادی چیزوں پر۔

موجودہ دنیا میں ہر آدمی ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک مادیت اور دوسرے روحانیت۔ کوئی بھی شخص ان دو چیزوں سے خالی نہیں۔ دونوں ہی چیزیں ہر آدمی کی لازمی ضرورت ہیں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ دونوں میں سے کس چیز کو اولین اہمیت دی جائے اور کس کو ثانوی درجہ میں رکھا جائے۔ جو شخص مادی چیزوں کو دوسرا درجہ دے اور روحانیت کو پہلے درجہ میں رکھے اس کا نام روحانی آدمی ہے۔ اور جو شخص اس کے برعکس کرے وہ مادی آدمی

اس کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روحانیت کو آدمی کی زندگی میں مقصد کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جو مادی چیزیں ہیں وہ ضرورت کے خانہ میں چلی جاتی ہیں۔ اس سے سائنسی ترقیاں رکتی نہیں۔ وہ بدستور جاری رہتی ہیں۔ البتہ سائنسی یا مادی ترقیوں کو بذات خود مقصد سمجھ لینے

سے سماج میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ روحانیت آدمی کو ذہنی اور اخلاقی صحت عطا کرتی ہے۔ مادی خوراک سے آدمی کا جسم تندرست ہوتا ہے اور روحانی خوراک سے آدمی کے ذہن و فکر کو تندرستی حاصل ہوتی ہے۔

عام آدمی کے لئے مادی چیزیں مقصد ہوتی ہیں اور روحانی آدمی کے لئے ضرورت۔ نقطہ نظر کا یہ فرق دونوں کی زندگیوں میں زبردست فرق پیدا کر دیتا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ روحانی آدمی کے اندر مادی نقصان کو برداشت کرنے کی بے پناہ طاقت آجاتی ہے۔ موجودہ دنیا مقابلہ اور حادثات کی دنیا ہے۔ یہاں بار بار مختلف قسم کے نقصانات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اب جو شخص مادی چیزوں کو اپنا مقصد سمجھ رہا ہو وہ نقصان کو دیکھ کر گھبرا اٹھتا ہے اس کے اندر سخت جھنجھلاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات وہ خودکشی کر لیتا ہے۔ مگر روحانی آدمی اس قسم کی ناخوشگواریوں کو آسانی سے جھیل لیتا ہے۔ کیوں کہ مادی نقصان کے بعد بھی اس کے پاس ایک اعلیٰ چیز موجود رہتی ہے جس کے سہارے وہ جی سکے۔

اس طرح روحانی آدمی اس سب سے بڑی برائی سے خالی ہوتا ہے جس کو گھمنڈ کہا جاتا ہے۔ گھمنڈ ہمیشہ مادی چیزوں کے بل پر پیدا ہوتا ہے۔ لوگ چوں کہ مادی چیزوں کو سب سے بڑی چیز سمجھتے ہیں اس لئے وہ ان کو پا کر گھمنڈ میں پڑ جاتے ہیں۔ وہ انسانوں کو مادی ساز و سامان سے ناپتے ہیں۔ اس لئے جس شخص کے پاس مادی ساز و سامان کم ہو اس کو نیچا خیال کرتے ہیں۔ اور جس شخص کے پاس مادی ساز و سامان زیادہ ہو اس کی بابت ان کا خیال ہو جاتا ہے کہ وہ اونچا آدمی ہے۔ اسی سے گھمنڈ کا جذبہ ابھرتا ہے اور انسانوں کے درمیان مصنوعی اونچ نیچ کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

مگر روحانی آدمی مادی چیزوں کو دوسرے درجہ کی چیز سمجھتا ہے۔ وہ ان کو اپنا خادم سمجھتا ہے نہ کہ اپنا آقا۔ اس بنا پر وہ مذکورہ قسم کی نفسیات سے بچا رہتا ہے۔ نہ مادی سامان زیادہ ہونے کی بنا پر وہ اپنے کو اونچا سمجھتا۔ اور نہ ایسا ہوتا کہ جس کے پاس مادی چیزوں کی کمی ہو اس کو وہ حقیر اور نیچا سمجھنے لگے۔ روحانیت آدمی کو اپنے لئے بھی بہتر بنا دیتی ہے اور دوسروں کے لئے بھی۔

نوٹ : ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۸۴ کو آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے نشر کیا گیا۔

علم نبوت

موجودہ زمانہ میں علوم فطرت (Natural science) کا بہت چرچا ہے۔ لوگ فطرت کی دنیا میں انسانی دریافتوں سے حیران ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے علوم نے فطرت کے صرف کچھ ظاہری پہلوؤں کو ہمارے اوپر کھولا ہے۔ کائنات کی معنویت اس سے زیادہ ہے کہ وہ انسانی لفظوں میں بیان کی جاسکے۔

وسیع خلا میں پھیلی ہوئی دنیائیں اس سے زیادہ بڑی حقیقت کی ترجمان ہیں جو ہماری دوربینوں کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتی ہے۔ پہاڑوں کے مناظر میں اس سے زیادہ گہری داستان چھپی ہوئی ہے جو کیمرہ کی آنکھ پکڑتی ہے اور ہمیں دکھاتی ہے۔ چڑیوں کے چہچہے اس سے زیادہ بڑی کہانی سنا رہے ہیں جو ہوا کے ذریعہ ہمارے کانوں تک پہنچ رہی ہے۔ درخت اس سے زیادہ بڑا سبق دیتے ہیں جو لکڑی اور پھل کی صورت میں ہمیں حاصل ہوتا ہے۔

کائنات سے واقفیت کی ایک سطح وہ ہے جو انسانی علوم کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ پھر دوسری سطح کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔ یہ ذریعہ وحی یا علم نبوت ہے۔ نبی ہمارے اوپر اس علم کو کھولتا ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک عظیم خدا ہے۔ اس کائنات کا نظام خدا کی طرف سے غیر مرئی طور پر چلایا جا رہا ہے۔ یہ دنیا عارضی ہے۔ اس کے بعد ایک اور دنیا آئے گی جو ابدی بھی ہوگی اور کامل بھی۔

اس پیغمبرانہ علم کی روشنی میں جب کائنات کو دیکھا جائے تو اب کائنات بالکل دوسری کائنات نظر آنے لگتی ہے۔ اب یہاں دیکھنے والے کو خالق کی تجلیاں نظر آتی ہیں۔ اب یہاں سننے والے کو خدائی آوازیں گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہیں۔ اب یہاں کی سرگرمیوں میں فرشتے حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب یہاں کے مناظر میں آخرت لپٹی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

انسانی علم کی روشنی میں کائنات منزل نظر آتی ہے۔ مگر پیغمبرانہ علم کی روشنی میں وہ گزرگاہ بن جاتی ہے۔ انسانی علم کا استعمال ہمیں صرف کائنات کی چند روزہ خوراک دیتا ہے جب کہ پیغمبرانہ علم اس کو ہمارے لئے ابدی خوراک بنا دیتا ہے۔ انسانی علم ہمیں صرف مخلوقات سے ملاتا ہے۔ اور پیغمبرانہ علم ہم کو مخلوقات کے خالق سے ملا دیتا ہے۔

علم نبوت دراصل علم حقیقت کا دوسرا نام ہے۔

توہم پرستی

امریکہ کی ری پبلکن پارٹی کے ایک عہدیدار مسٹر سیلر (Sayler) نے بتایا کہ امریکی صدر رونالڈ ریگن ہر وقت اپنی جیب میں ایک چھوٹی سی سونے کی نعل رکھتے ہیں۔ یہ نعل ان کو صدر بننے سے تقریباً پانچ سال پہلے ان کے ایک دوست نے دی تھی۔ صدر ریگن کو یقین ہے کہ اس سنہری نعل میں طلسماتی اثرات چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو ہر آفت سے بچاتی ہے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۸۱ میں جب ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو ان کے خیال کے مطابق اسی نعل نے ان کو اس سے محفوظ رکھا تھا۔

یہ نعل ہر وقت صدر ریگن کے ساتھ رہتی ہے۔ جون ۱۹۸۱ کی ایک ملاقات میں مسٹر سیلر نے ان سے پوچھا: کیا آپ اب بھی اس نعل کو اپنی جیب میں رکھتے ہیں۔ صدر ریگن نے کہا ہاں ضرور:

I sure do

اس کے بعد انھوں نے اپنی بائیں جیب میں ہاتھ ڈالا اور مذکورہ نعل نکال کر دکھائی (ٹائمس آف انڈیا، ۲۴ جون ۱۹۸۱)

یہ بلاشبہہ توہم پرستی (Superstition) ہے۔ مگر اس توہم پرستی کا ایک معلوم سبب ہے۔ وہ یہ کہ موجودہ دنیا میں انسان کے ساتھ جو واقعات پیش آتے ہیں وہ ایسے پراسرار ہوتے ہیں کہ آدمی پوری طرح ان کی توجیہہ نہیں کر پاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چھپے ہوئے عوامل ہیں جو کسی کو کامیاب اور کسی کو ناکام کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص ایک نتیجہ سے دوچار ہوتا ہے اور کوئی شخص دوسرے نتیجہ سے۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی حقیقی معنوں میں نہیں بتا سکتا کہ اس کے ساتھ جو ہوا وہ کیوں ہوا۔ ایک بار میں نے ایک بڑے تاجر سے پوچھا کہ تجارت میں کامیابی کا راز کیا ہے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ آخر میں کہا کہ "قسمت" اگر کوئی شخص اس کا تین سبب بتائے تو میں کہوں گا کہ ــــ قسمت، قسمت، قسمت۔

یہ پراسراریت اس لئے ہے کہ سب کچھ کرنے والا خدا ہے۔ مگر انسان چوں کہ غیبی خدا کو دیکھ نہیں پاتا اس لئے وہ کسی نہ کسی دکھائی دینے والی چیز کو اپنا خدا بنا لیتا ہے۔ خواہ وہ سونے کی ایک نعل ہو یا پتھر کی ایک انگوٹھی۔

انگریزی الرسالہ

الرسالہ کا انگریزی اڈیشن پابندی سے ہر ماہ نکل رہا ہے۔ زبان و بیان ہر لحاظ سے بفضلہ تعالیٰ وہ ایک معیاری پرچہ ہے۔ ایک امریکی نومسلم جو انگریزی الرسالہ شروع سے پڑھ رہے ہیں، انھوں نے کہا کہ الرسالہ مجھ کو بہت پسند ہے۔ وہ مسلم دنیا کا واحد انگریزی رسالہ ہے جو خالص دعوتی اور تعبیری انداز میں نکلتا ہے۔ میں الرسالہ کو بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔

الرسالہ خالص دعوتی مقصد سے نکالا گیا ہے اور دعوت پوری امت کی مشترک ذمہ داری ہے۔ اس اعتبار سے الرسالہ (انگریزی) کسی خاص ادارہ کا پرچہ نہیں وہ پوری امت کا پرچہ ہے۔ اس کا تعاون کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کے سلسلے میں آپ اپنی ذمہ داری کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ:

اس کے خریدار بنائیں اور ایجنسی قائم کریں تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔

اس کے لئے مالی تعاون کریں تاکہ اس کا خسارہ پورا کیا جاسکے۔

نوٹ: انگریزی الرسالہ کی خریداری اور ایجنسی کے شرائط وہی ہیں جو اردو الرسالہ کے ہیں۔

—— ادارہ الرسالہ

علاقائی زبانوں میں کتابیں

سچا راستہ (تلگو) Rs. 3.50

دینی تعلیم (تلگو) Rs. 4.50

پتہ: اسلامک سنٹر، 3-6-373/A حمایت نگر حیدرآباد 29

منزل کی طرف (مرہٹی) Rs. 2.00

پتہ: فٹ ویل سیٹ سنٹر 1050 رویوار پیٹھ پونہ 2

Fitwel Seat Centre, 1050, Raviwar Peth, Poona 411002

ایک سفر

پہلی بار میں ۳۰ ستمبر ۱۹۷۱ کو پونہ آیا تھا۔ اس وقت دو روزہ قیام کے دوران میں نے یہاں کے مختلف مسلم اور غیر مسلم ادارے دیکھے تھے۔ لوگوں سے ملاقاتیں کی تھیں اور شہر میں کچھ تقریریں کی تھیں۔ اس پہلے سفر کی روداد اسی زمانہ میں الجمعیۃ ویکلی (۱۲ نومبر ۱۹۷۱) میں شائع ہوئی تھی۔

پونہ کے لئے میرا دوسرا سفر مارچ ۱۹۸۳ میں ہوا۔ اس سفر کی مختصر روداد الرسالہ (جون ۱۹۸۴) میں شائع ہو چکی ہے۔ اس سفر کے وقت پونہ میں الرسالہ کی ایک یادو ایجنسی تھی اور اس کے پچاس پرچے یہاں آرہے تھے۔ اب خدا کے فضل سے یہاں دو سو سے زیادہ پرچے آرہے ہیں اور اسلامی مرکز کی مطبوعات بڑی تعداد میں شہر کے اندر پھیل چکی ہیں۔

پونہ کا تیسرا سفر ایک تربیتی اجتماع کے سلسلے میں ہوا جو یہاں ۲۹ - ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ کو رکھا گیا تھا۔ اس پروگرام کے تحت میں جہلم اکسپریس سے ۲۸ ستمبر کی سہ پہر کو پونہ پہنچا۔

حال میں میں نے سورہ الکہف کی تفسیر مکمل کی تھی۔ اس کے ۷۶ صفحات کے مسودہ کی نظر ثانی کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ یہ مسودہ میں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ دہلی سے پونہ کے سفر میں پورے مسودہ کو باطمینان دوبارہ پڑھا اور جگہ جگہ اس کو درست کیا۔ میں نے سوچا کہ موجودہ زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ سفر کرتے ہوئے بھی آدمی ایسے نازک علمی کام کو جاری رکھ سکتا ہے۔ قدیم زمانہ کی سواریوں میں ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔

پیغمبر اور اصحاب پیغمبر کی زبان سے یہ دعا کرائی گئی تھی: ربنا ولا تحمل علینا اصراً کما حملتہ علی الذین من قبلنا (خدایا ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے پچھلی امتوں پر ڈالا تھا) مذکورہ واقعہ بھی شاید اسی کا ایک جزء ہے۔ امت محمدی کی بعثت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ دعوت دین کے معاملہ کو، پہلے کے مقابلہ میں، بے حد آسان بنا دیا گیا ہے۔ یہ آسانیاں اسلام کی تعمیر کے لئے ظہور میں لائی گئی تھیں۔ مگر کیسی عجیب بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں ان مواقع کو اسلام کے نام پر صرف اسلام کی تخریب کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

پونہ میں لوگوں نے بتایا کہ الرسالہ یہاں کافی مقبول ہے۔ مگر اس میں بعض شخصیتوں پر جو تنقید شائع ہوئی ہے اس سے ان شخصیتوں کا حلقہ بہت مشتعل ہے۔ اس کے جواب میں میں نے جو باتیں کہیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ اس حیثیت سے غور کیجئے کہ ان شخصیتوں کا جو حلقہ ہے، خدا کے فضل سے اتنا ہی الرسالہ کا حلقہ بھی ہندستان کے اندر اور ہندستان کے باہر ہے۔ اب آپ ایک تجربہ کیجئے۔ الرسالہ کے حلقہ میں

آپ صاحب الرسالہ پر تنقید کیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ الرسالہ کے حلقہ کا کوئی شخص اس پر مشتعل نہ ہوگا۔ بلکہ آپ کی تنقید کو صرف اس حیثیت سے جانچے گا کہ وہ دلیل کے اعتبار سے کیسی ہے۔ اس کے برعکس ان شخصیتوں کے حلقہ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی محبوب شخصیت پر تنقید سنتے ہی مشتعل ہو جاتا ہے۔ وہ یہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ تنقید بجائے خود کیا ہے۔ وہ دلیل کی بنیاد پر ہے یا بے دلیل ہے۔

اب آپ بتائیے کہ دونوں میں سے کون سا مزاج اسلامی مزاج ہے۔ کوئی بھی شخص جو پڑھا لکھا ہو اور قرآن و حدیث کو جانتا ہو وہ یہی کہے گا کہ الرسالہ کے حلقہ کا مزاج ہی اسلامی مزاج ہے اور ان شخصیتوں کے حلقہ کا مزاج یقینی طور پر غیر اسلامی۔ پھر ان شخصیتوں کو اور ان کے حلقہ کو یہ سوچنا چاہئے کہ انھوں نے اپنی کوششوں سے کون سی فصل تیار کی ہے۔ ایسی حالت میں انھیں خود اپنا احتساب کرنا چاہئے نہ کہ وہ الرسالہ یا صاحب الرسالہ پر برہم ہونے لگیں۔

پھر میں نے کہا کہ اسلام میں حرام چیزوں کی واضح فہرست ہے۔ مگر اس فہرست میں کہیں بھی "تنقید" کا لفظ درج نہیں۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ایک دوسرے پر تنقید کی کھلی اجازت تھی۔ فقہاء و محدثین میں کھلی تنقیدیں ہوتی تھیں۔ امت مسلمہ کا جو معیاری زمانہ ہے اس میں تنقید سے روکنے یا برا ماننے کا کوئی مزاج نہ تھا۔ اب اگر کچھ لوگ تنقید سے روکیں تو گویا وہ بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور بدعت ایک ایسی چیز ہے جس کے بارہ میں ہر جمعہ کو ہمارا امام بلند آواز سے اعلان کرتا ہے ــــــ کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ میں نے کہا کہ آپ صرف یہ پابندی لگا سکتے ہیں کہ تنقید کو دلیل کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ بے دلیل ایک دوسرے کے خلاف رائے زنی کی جانے لگے۔

اس اجتماع میں بمبئی سے بھی کچھ حضرات شریک ہوئے تھے۔ محمد شفیع گلزار سرگروہ نے بتایا کہ جناب عبد الغنی حسن سرگروہ (ایڈووکیٹ بمبئی) نے انگریزی الرسالہ دیکھ کر اس کو پسند کیا اور کہا کہ:

It is the need of the hour

(یہ وقت کی ضرورت ہے) اس طرح کی رائے بہت سے لوگوں نے ظاہر کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے انگریزی داں طبقہ میں اور غیر مسلموں میں خالص تعمیری انداز میں اسلام کو پیش کرنے کے لئے ایک رسالہ کی ضرورت تھی اور انگریزی الرسالہ اس ضرورت کو بخوبی پورا کرتا ہے۔

مولانا مختار احمد قاسمی (بمبئی) نے بتایا کہ بمبئی (سیوڑی) میں ایک جماعت (اللہ اکبر) کی سرگرمیوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ انھوں نے الرسالہ کے ایک جملہ کو اپنے یہاں بطور موٹو

کے اختیار کرلیا ہے۔ اس کو وہ اپنے بورڈ پر، اپنے تعارفی کاغذات پر، اپنی رسیدوں پر، اپنے لیٹر پیڈ پر، غرض ہر جگہ درج کرتے ہیں۔ وہ جملہ یہ ہے:

اتحاد کیا ہے، اختلاف کے باوجود متحد ہونا

حیدر آباد اور بنگلور سے بھی کچھ صاحبان اس اجتماع میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ بنگلور میں خدا کے فضل سے الرسالہ کی تحریک بڑھ رہی ہے۔ اردو اور انگریزی دونوں الرسالہ وہاں معقول تعداد میں جارہے ہیں اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔

پونہ کے اجتماعات میں خلاف امید کافی لوگ شریک ہوئے۔ ۳۰ ستمبر کی شام کو نماز عشاء کے بعد پنشن والی مسجد میں خطاب عام ہوا۔ وسیع مسجد کے تمام حصے پوری طرح بھرے ہوئے تھے "اسلامی تاریخ کیا سبق دیتی ہے" کے موضوع پر میں نے ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اسلام کے آغاز سے لے کر اسپین کے زوال تک کی تاریخ پر واقعات کی روشنی میں ایک جائزہ پیش کیا۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ تاریخ بنانے کے لئے ہمیشہ جاندار افراد درکار ہوتے ہیں۔ خوش خیالیوں سے نہ پہلے تاریخ بنی اور نہ آج بن سکتی ہے۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۸۴ کی شام کو ایک نشست میں پونہ میں اسلامی مرکز کی شاخ کے قیام کا اعلان کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہفتہ وار اجتماع کا نظم قائم کرکے یہاں باقاعدہ کام کیا جائے۔

پونہ کے عبدالصمد صاحب نے بتایا کہ ایک نوجوان حافظ ثناء اللہ صاحب جو حال میں گجرات سے عالم کی سند لےکر آئے ہیں اور پونہ کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ وہ میری دکان پر سائیکل کا سیٹ کور خریدنے آئے تھے۔ شوکیس میں رکھی ہوئی آپ کی کتابوں پر نظر پڑی تو نورا جولائی کا الرسالہ اٹھالیا۔ اور کہا کہ میں گجرات میں مستقل خریدار تھا۔ اب سوچ رہا تھا کہ پونہ میں بھی اپنے نام الرسالہ جاری کراؤں لیکن آپ کے پاس دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔

دوران گفتگو میں نے ان سے کہا کہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ محلہ کی مسجد کے امام کا اثر اطراف کی آبادی میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ائمہ مساجد دعوت کا کام بڑی آسانی سے کرسکتے ہیں لیکن بڑا المیہ یہ ہے کہ اکثر ائمہ مساجد عصری اسلوب میں لٹریچر پڑھنے کے لئے تیار نہیں۔

عبدالصمد صاحب نے اپنی دکان کے سامنے "عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر" کا بورڈ لگایا ہے اور سامنے ہی شوکیس میں تمام کتابیں لگا رکھی ہیں۔ اس طرح آنے جانے والے اس کو دیکھتے ہیں۔ اس سے کام کو بڑھانے میں مدد ملتی ہے۔

ایک صاحب جو پونہ ممبئی کے درمیان ایک مقام بوناؤلہ میں امامت کرتے ہیں۔ وہ اکثر عربی خطبہ

سے پہلے الرسالہ کا کوئی مضمون پڑھ کر سناتے ہیں۔ پونہ کی ایک مسجد جس کو درگاہ والی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے وہاں ایک شخص ہیں عبدالکریم کورٹ والے۔ وہ ایک فریم میں الرسالہ کا مضمون ہر چار چار دن کو مسجد کے دروازے پر لگاتے ہیں اور لوگ بہت پسند کرتے ہیں۔ اس طرح کی کوششیں مختلف حضرات اپنے اپنے مقامات پر کر رہے ہیں۔

ستمبر ۱۹۸۴ کو جناب ایس ایم یحییٰ صاحب (سابق وزیر مالیات کرناٹک) دہلی میں ہمارے مرکز میں آئے اور بھٹکل آنے کی دعوت دی۔ اس پروگرام کے تحت یکم اکتوبر ۱۹۸۴ کو پونہ سے بھٹکل کے لئے روانگی ہوئی۔ تقریباً چھ سو کلومیٹر کا یہ سفر کار کے ذریعہ طے کرنا ابتداءً بڑا وحشتناک معلوم ہوتا تھا۔ مگر ایک واقعہ نے یہ وحشت ناکی دور کردی۔ وہ تھا سفر کا راستہ۔ پونہ سے بھٹکل تک کی سڑک پوری کی پوری قدرتی حسن کے درمیان سے گزرتی ہے۔ مسلسل پہاڑی علاقہ اور سڑک کے دونوں طرف پھیلے ہوئے سرسبز مناظر نے سفر کی صعوبت بھلا دی۔ جو سفر ابتداءً تکلیف دہ سفر معلوم ہوتا تھا، قدرتی مناظر نے اس کو روح پرور ربانی سفر بنا دیا۔

پونہ سے بھٹکل کے راستہ میں سڑک کے کنارے بہت سے ٹرک الٹے ہوئے نظر آئے۔ کچھ گاڑیاں چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھیں اور کچھ گاڑیاں الٹی پڑی تھیں۔ جن لوگوں کی گاڑیاں سڑک پر دوڑ رہی تھیں ان کے چہرے بتاتے تھے کہ وہ اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ یہ صرف وقت کا سوال ہے۔ ہر ایک کی گاڑی آخر کار الٹنے والی ہے۔ کسی کی آج الٹ گئی ہے کسی کی کل الٹے گی۔ یہ الٹی ہوئی گاڑیاں اپنے انجام کی صورت میں دوسروں کو بتا رہی ہیں کہ تمہارا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔ مگر کوئی نہیں جو اپنے دائیں بائیں بکھری ہوئی ان نشانیوں سے سبق لیتا ہو۔ یہ انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو واقعات سے الگ کر لیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صرف دوسروں کے لئے تھا، میرے اپنے ساتھ ایسا ہونے والا نہیں۔

راستہ میں دو گھنٹے کے لئے ہم لوگ بلگام ٹھہرے۔ بلگام (کرناٹک) کی کل آبادی پونے تین لاکھ ہے۔ اس میں مسلمان تقریباً ۴۰ ہزار ہیں۔ ۱۹۲۸ میں یہاں مسٹر محمد علی جناح آئے تھے اور تقریر کی تھی اور اس کے بعد سے یہاں کے ایک چوک کا نام جناح چوک پڑ گیا تھا۔ سرکاری کاغذات میں اس کا یہ نام درج نہیں۔ البتہ مسلمانوں نے یہاں ایک بورڈ لگا دیا جس پر جناح چوک لکھا ہوا تھا اور اس کے اوپر اپنا سبز جھنڈا لہرا دیا۔ چند سال پہلے ہندو صاحبان نے اس جھنڈے اور بورڈ کو ہٹا دیا۔ اس کے بعد دونوں فرقوں میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ ہندو صاحبان کا مطالبہ تھا کہ اس کا نام وبرسا ورکر چوک رکھا

جائے۔ یہ نزاع چل رہی تھی۔ حال میں معلوم ہوا کہ یہاں کی کارپوریشن نے " ویر ساورکر چوک " کا نام منظور کر دیا ہے۔

مسلمان نام کی اس تبدیلی کو پسند نہیں کر رہے ہیں۔ تاہم یہاں کے مسلمان اس قدر خستہ حال ہیں کہ وہ غالباً اس کے خلاف کسی اقدام کی ہمت نہ کر سکیں گے۔ اگر یہاں کے مسلمان اچھے حال میں ہوتے تو یقیناً وہ اس پر جھگڑا کرتے اور بالآخر فساد ہو جاتا۔ اس کے بعد تمام لیڈر متفقہ طور پر یہ انکشاف کرتے کہ سازش کے تحت ان مقامات کو فساد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے جہاں مسلمان اچھی حالت میں ہیں۔

معلوم ہوا کہ بلگام میں سڑک کے کنارے کی مسجدوں پر پہلے یہ بورڈ لگا ہوا تھا "یہاں باجہ بجانے کی منہائی ہے" کچھ سال پہلے تک شادی بیاہ اور پوجا وغیرہ کے جلوس والے اس پر عمل کرتے تھے۔ مگر اب اس پر عمل ختم ہو گیا ہے۔

ہندستان کا وہ ساحلی علاقہ جو گجرات سے لے کر ملابار تک بحر عرب سے ملتا ہے، اس علاقہ میں قدیم زمانہ سے عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں صحابہ اور تابعین اس میں داخل ہوئے اور بہت سے لوگ یہاں آباد ہو گئے۔ بھٹکل (کرناٹک) اسی علاقہ میں واقع ہے۔ یہاں کے مسلمان زیادہ تر انھیں قدیم عربوں کی نسل سے ہیں۔ ابن بطوطہ کے سفر نامہ میں بھی بھٹکل کا ذکر ملتا ہے۔

بھٹکل میں تقریباً ۲۵ ہزار مسلمان آباد ہیں۔ یہ یہاں کی آبادی کا تقریباً ۲۰ فی صد حصہ ہے۔ یہاں 1919 میں انجمن حامی مسلمین قائم ہوئی۔ ابتداءً وہ مدرسہ سے شروع ہوئی تھی۔ مگر آج وہ ایک وسیع ایجوکیشنل کامپلکس میں تبدیل ہو چکی ہے۔

بھٹکل کے مسلمانوں کی ایک جماعت "تنظیم واصلاح" کے نام سے ہے۔ یہاں کے تمام مسلمان اس کے فیصلوں کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ مقامی کارپوریشن کے الکشن میں یہی تنظیم مسلمانوں کا نمائندہ منتخب کرتی ہے۔ صرف یہی مسلمان الکشن میں حصہ لیتے ہیں۔ دوسرا کوئی شخص الکشن میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی کھڑا ہو تو اس کو مسلمان کا ایک بھی ووٹ نہیں ملے گا۔ اسی اتحاد کا نتیجہ ہے کہ کارپوریشن پر اکثر مسلمانوں کا قبضہ رہتا ہے۔

بھٹکل میں مسلمانوں نے پرائمری سے لے کر انجنیرنگ تک ہر قسم کی تعلیم کا انتظام کیا ہے۔ اب انھوں نے ستر ایکڑ کی ایک زمین حاصل کی ہے۔ یہ ایک سطح مرتفع (پلیٹو) ہے۔ جس کے چاروں طرف پہاڑیاں اور سبز سبز مناظر اس کو دلکش بنا رہے ہیں۔ اسی زمین میں اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز اکیڈمی قائم کی جا رہی ہے۔ اس کی مجوزہ وسیع عمارت اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے مجھے بلایا گیا تھا۔ ۲ اکتوبر

۱۹۸۴ کی سہ پہر کو ایک تقریب کے تحت میں نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بعد ایک جلسہ ہوا جس میں بھٹکل اور اس کے اطراف کے تعلیم یافتہ مسلمان بہت بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ یہاں میں نے اسلام میں علم کی اہمیت پر تقریر کی۔ نیز یہ دکھایا کہ موجودہ سائنسی ترقیوں نے کس طرح اسلامی دعوت کے نئے وسیع امکانات کھول دئے ہیں۔

بھٹکل میں جو پروگرام ہوئے ان کی تفصیل اگلے صفحہ پر درج ہے۔

بھٹکل غالباً ہندستان میں منفرد جگہ ہے جہاں مسلمانوں کی تعمیر کا کام کامیاب طور پر ہو رہا ہے۔ یہاں ہر قسم کے تعمیری کام کئے جا رہے ہیں۔ اس علاقہ میں سیکڑوں سال سے ملاح آباد تھے جو خستہ حالت میں رہتے تھے۔ اب سمندر کے کنارے ان کے بہت سے خوبصورت گاؤں بن گئے ہیں۔ وہ لوگ مشینی کشتیوں کے ذریعے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ان کی بستیوں میں مسجد اور مدرسے قائم ہیں۔ ان کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وغیرہ

بھٹکل کے مسلمانوں کی مزید یہ خصوصیت ہے کہ یہاں کے سرکاری اسکولوں میں مسلمانوں کی اسلامی تعلیم کے لئے ایک گھنٹہ خاص کیا گیا ہے۔ اس میں انجمن کے اساتذہ جاتے ہیں اور مسلمان بچوں کو اسلام کی ضروری تعلیم دیتے ہیں۔

کسی کا قول ہے کہ خدا تجارت کو اپنا مبلغ بناتا ہے:

God is making commerce his missionary

اس کا ایک نمونہ میں نے بھٹکل میں دیکھا۔ بھٹکل کے مسلمان نوائتی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ نوائتی برادری پوری کی پوری تاجر برادری ہے۔ تجارت میں مشغولیت نے ان کے مزاج کو پر امن تعمیری مزاج بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رہنما جو بھی اسکیم بناتے ہیں، پوری برادری فوراً اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ وہ ہر تعمیری منصوبہ میں اپنے رہنماؤں کا بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ ان کی جماعتوں کے صدر اور سکریٹری معمولی کام بھی اسی شوق سے کرتے ہیں جس طرح بڑے کام۔ لکھ پتی اور کروڑ پتی خاندان کے نوجوان سادہ لباس پہنے ہوئے قومی کاموں میں رضا کارانہ حصہ لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہی مزاج کسی قوم کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ شمالی ہند کے مسلمانوں میں یہ مزاج موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے یہاں کوئی تعمیری کام نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص کسی تعمیری کام کا آغاز کرے تو اس کو معاون نہیں ملتے۔ وہ بہت جلد اختلافات کا شکار ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ شمالی ہند کے مسلمان اگر "بھٹکل" جیسے علاقوں سے سبق لیں تو ان کا مسئلہ بھی اسی طرح حل ہو جائے جس طرح ان کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔

پونہ کا پروگرام

۲۸ستمبر۱۹۸۴ بعد نماز مغرب، یونانی میڈیکل کالج کے افتتاح کی تقریب میں ایک گھنٹہ کی تقریر
بعد نماز عشار، مکہ مسجد میں خطاب عام

۲۹ستمبر مکہ مسجد میں درس قرآن
اسلامی تربیت کے موضوع پر دن کے مختلف اوقات میں تقریریں
نماز عصر کے بعد، طیبہ یتیم خانہ کا معائنہ، تقریر
نماز عشار کے بعد، ایک مکان پر تقریر

۳۰ستمبر نماز فجر کے بعد مکہ مسجد میں درس حدیث
دن کے مختلف اوقات میں اسلامی تحریک کے موضوعات پر تقریریں
"عربی کلاس" کا افتتاح
پنشن والی مسجد میں خطاب عام (اسلامی تاریخ ہمیں کیا سبق دیتی ہے)

یکم اکتوبر صبح ۱ بجے شیخ انور مختار کی رہائش گاہ پر تعلیم یافتہ اصحاب سے ملاقات

بھٹکل کا پروگرام

۲ اکتوبر جامعۃ الصالحات کا معائنہ، تقریر
تنظیم واصلاح کا معائنہ، تقریر
مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن تینگن گنڈی کا معائنہ، تقریر
انجمن ہائی اسکول کا معائنہ، تقریر
اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز اکیڈمی کا سنگ بنیاد، تقریر
جامع مسجد بھٹکل میں تقریر

پونہ اور بھٹکل کے سفر کے دوران لوگوں سے جو باتیں ہوئیں۔ ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں

ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ جن لوگوں کو کرنا نہیں ہے وہ پروگرام پوچھ رہے ہیں۔ اور جن لوگوں کو کرنا ہے انھیں معلوم ہے کہ ان کا پروگرام کیا ہے۔ پھر میں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ انگریزی الرسالہ کا اجرا اب لوگوں کو ایک مکمل پروگرام دے رہا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انگریزی الرسالہ پورے عالم اسلام کا واحد پرچہ ہے جو انٹرنیشنل زبان میں خالص دعوتی انداز میں نکالا جا رہا ہے۔ وہ زبان اور بیان دونوں اعتبار سے پوری طرح قابل اعتماد ہے۔ اب لوگوں کا کام یہ ہے کہ اس کو غیر مسلموں اور انگریزی داں مسلمانوں تک پہنچائیں۔

جو لوگ واقعۃً کچھ کرنا چاہتے ہیں، وہ انگریزی الرسالہ کی صورت میں اپنا پروگرام پا گئے ہیں۔ اس کو وہ پوری کوشش سے انگریزی داں اور تعلیم یافتہ غیر مسلموں میں پہنچا رہے ہیں۔ اگر ان کو خریدار نہ بھی ملے تو وہ خود اپنی طرف سے اس کو خریدتے ہیں اور دعوتی ذمہ داری کے تحت اس کو پھیلا رہے ہیں۔ مگر جن کو کچھ کرنا نہیں ہے وہ ابھی تک پروگرام پوچھ رہے ہیں ــــــ کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو اپنی بے عملی کا الزام دوسروں کے سر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ایک سوال کے جواب میں میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے اسلامی قائدین دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک وہ جو سمجھتے ہیں کہ شخصیتیں تاریخ بناتی ہیں۔ دوسرے وہ جو سمجھتے ہیں کہ تاریخ بنانے والی چیز نظام ہے۔ ایک گروہ انسانی شخصیتوں میں گم ہے اور دوسرا گروہ سیاسی نظامات میں۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں جس کو یہ دکھائی دیتا ہو کہ خدا تاریخ بنانے والا ہے۔ لوگ غیر خدا میں گم ہیں۔ کوئی نہیں جو خدا کو دیکھے اور اس میں ہمہ تن گم ہو جائے۔

فوج کے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔ بندوق اور شکار پر گفتگو کرتے ہوئے انھوں نے کہا "نشانہ لگاتے وقت پر آپ کو پتھر کی طرح ساکت ہو جانا چاہئے"۔ میں نے سوچا کہ یہی معاملہ زندگی کے بقیہ معاملات کا بھی ہے۔ آدمی اگر کسی "نشانہ" کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو بقیہ تمام چیزوں سے صرف نظر کرنا ہوگا۔ جو شخص دوسری چیزوں سے صرف نظر نہ کر سکے، اس کے حصہ میں صرف یہ آتا ہے کہ کارتوس خالی کرنے کے بعد بھی اس کی گولی نشانہ پر نہ لگے۔

اس سفر کے دوران ایک صاحب نے ایک مسجد کا واقعہ بتایا جس میں بڑی نصیحت ہے۔ ایک شخص نے اس مسجد میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد مسجد کے موذن سے پوچھا کہ مجھے ایک نیا جوتا بنوانا ہے، کسی اچھے جوتے ساز کا پتہ بتاؤ تاکہ میں اس سے اپنا جوتا بنوا سکوں۔ موذن نے امام صاحب کی طرف اشارہ کیا جنھوں

نے ابھی ابھی وہاں نماز پڑھائی تھی۔

مسافر کو یقین نہیں ہوا۔ مگر جب وہ مسجد کے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے نیچے ایک دکان میں وہی شخص جوتا بنانے میں مشغول ہے جس نے ابھی نماز کے وقت مسجد میں امامت کی تھی۔ مسافر نے دکان میں جا کر امام صاحب سے گفتگو کی اور ان کو اپنے جوتے کا آرڈر دے دیا۔

بتانے والے نے بتایا کہ یہ امام صاحب عام جوتا سازوں سے کافی زیادہ قیمت پر جوتا بناتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے یہاں فرمائش کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ کیوں کہ ان کے متعلق لوگوں کو اطمینان ہے کہ ان کا بنایا ہوا جوتا پوری طرح قابل اعتماد ہوگا۔

ہمارے ائمہ اور مدرسین جو امام ابوحنیفہ کے فقہی مسلک پر بہت زور دیتے ہیں اگر وہ امام ابوحنیفہ کے اس معاشی مسلک کو بھی اختیار کر لیں تو ملت کے آدھے جھگڑے اچانک ختم ہو جائیں اور اسی کے ساتھ اس کے آدھے مسائل بھی۔

۳ اکتوبر ۱۹۸۴ کو واپسی ہوئی۔ بھٹکل سے منگلور کا سفر سڑک سے طے ہوا۔ اور منگلور سے دہلی کا سفر ہوائی جہاز سے۔ بمبئی میں جہاز بدلنے کے لیے کچھ دیر رکنا پڑا۔

بمبئی کے ہوائی اڈہ پر مسافروں کی بھیڑ نظر آئی۔ یہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو خلیج کے ملکوں سے کما کر آ رہے تھے اور اپنے وطن کو جانے کے لیے دوسری پرواز کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص سب سے زیادہ ان سامانوں میں منہمک تھا جن کو وہ اپنے ساتھ لایا تھا اور اب ان کو لے کر جلد از جلد اپنے بیوی بچوں تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔

زندگی ایک سفر ہے۔ ہر شخص اپنے آغاز سے انجام کی طرف جا رہا ہے۔ مگر ہر آدمی کے پاس اپنے ساتھ لے جانے کے لیے جاپان اور جرمنی کی مصنوعات ہیں۔ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں کہ یہاں ایک اور چیز ہے جس کو آدمی اپنا زادِ سفر بنا سکے۔ یہ خدا کی یاد ہے۔ لوگ دنیا کے بازار سے انسانی چیزیں لینے میں اتنا مشغول ہیں کہ انہیں یہاں بکھری ہوئی لاتعداد خدائی چیزوں کو لینے کی فرصت نہیں۔ عظیم ترین خزانہ سے حقیر ترین چیز لینے کی اس سے زیادہ عجیب مثال کوئی دوسری نہیں ملے گی۔

خبر نامہ اسلامی مرکز

۱. تقریری پروگرام کے تحت اسلامی مرکز میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ کو ایک اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع نماز مغرب اور نماز عشار کے درمیان تقریباً دو گھنٹہ تک رہا۔ اس اجتماع کے خصوصی مقرر جناب پروفیسر علی اشرف صاحب (وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) تھے۔ تقریر کا عنوان تھا : حج کے تاثرات و مشاہدات تقریباً پچاس تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے جن میں کچھ خواتین بھی تھیں۔ تمہیدی تقریر ڈاکٹر شفیق احمد ندوی نے کی۔ اس کے بعد فاضل مقرر نے ایک گھنٹہ خطاب کیا۔ آخر میں صدر اسلامی مرکز نے پندرہ منٹ کی گفتگو میں موضوع سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

۲. ۴ اکتوبر ۱۹۸۴ کو بستی نظام الدین (دہلی) کے ایک مکان میں اجتماع ہوا۔ بستی کے تقریباً ۲۰ آدمی شریک ہوئے۔ اکثریت نوجوان طبقہ کی تھی۔ صدر اسلامی مرکز نے آدھ گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کا موضوع توحید و آخرت تھا۔ موصوف نے مختلف اسلامی واقعات بیان کر کے بتایا کہ توحید و آخرت کے نظریات کیسے انقلابی نظریات ہیں اور ان سے کیسی عظیم زندگیاں بنتی ہیں۔ آخر میں لوگوں کی خواہش کے مطابق یہ طے ہوا کہ اس طرح کا اجتماع بستی نظام الدین میں ہر ماہ کیا جاتا رہے۔

۳. ۲۶ ـ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ کو ایس آئی ایم کی تیسری آل انڈیا کانفرنس نئی دہلی (رام لیلا گراؤنڈ) میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں پورے ملک سے تقریباً پندرہ ہزار تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ منتظمین کی خواہش پر صدر اسلامی مرکز نے کانفرنس کے ایک اجلاس میں تقریر کی۔ اس کا عنوان تھا : ہندستان کا سماجی بگاڑ اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں۔ لوگوں نے تقریر کو بہت پسند کیا۔ عام تاثر یہ تھا کہ پورے کانفرنس کی سب سے زیادہ پرمغز اور فکر انگیز تقریر یہی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اس تقریر کا ٹیپ لیا۔

۴. ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۴ کی شام کو مغرب اور عشار کے درمیان نظام الدین بستی میں ایک نشست ہوئی تقریباً دس تعلیم یافتہ افراد شریک ہوئے۔ اس موضوع پر گفتگو ہوئی کہ کیا وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کا جان و مال محفوظ نہیں۔ صدر اسلامی مرکز نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ قرآن کے مطابق عصمت من الناس کا راز دعوت الی اللہ میں ہے۔ اور دعوت الی اللہ کا کام ہم نے چھوڑ رکھا ہے۔ موجودہ صورت حال اسی کا نتیجہ ہے۔

۵. ایس آئی ایم کی مذکورہ تین روزہ کانفرنس (۲۶ ـ ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴) میں اسلامی مرکز کا اسٹال لگایا گیا۔ الرسالہ اردو، الرسالہ انگریزی اور دوسری تمام مطبوعات نہایت سلیقہ کے ساتھ

سجائی گئی تھیں۔ کثیر تعداد میں لوگوں نے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں۔ بہت سے افراد الرسالہ کے خریدار ہوئے اور اس کی ایجنسی لی۔ اسی طرح پونہ کے تبلیغی اجتماع (۲۶ - ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۴) کے موقع پر اسلامی مرکز کی مطبوعات کا اسٹال لگایا گیا۔ اس موقع پر تقریباً ۱۵ ہزار افراد شریک ہوئے تھے۔ اس موقع پر بھی کافی کتابیں فروخت ہوئیں اور کثیر تعداد نے دیکھا اور مطالعہ کیا۔ اجتماعی مواقع پر اسٹال کا طریقہ بہت مفید طریقہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسا اسٹال ہر جگہ لگایا جائے۔

۶. ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۴ کو حسب معمول اسلامی مرکز کا ماہانہ اجتماع ہوا۔ یہ اجتماع ہر ماہ کے آخری اتوار کو بعد نماز مغرب ہوتا ہے۔ صدر اسلامی مرکز نے سورہ الصافات کی چند آیات کی روشنی میں درس قرآن دیا۔ اس درس کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر شخص کے اندر ایک دوست انسان بھی ہے اور ایک دشمن انسان بھی۔ یہ ہمارا اپنا امتحان ہے کہ دوست انسان ہمارے حصہ میں آتا ہے یا دشمن انسان۔

۷. ۲۵ نومبر ۱۹۸۴ کو اتوار کا دن تھا۔ حسب معمول بعد نماز مغرب اسلامی مرکز کا ماہانہ اجتماع ہوا۔ صدر اسلامی مرکز بیرونی سفر پر تھے۔ تاہم انھوں نے اپنا ایک درس ٹیپ کرا دیا تھا۔ موصوف کی غیر موجودگی میں یہ ٹیپ سنایا گیا۔ اس کا موضوع تھا: قرآن فہمی۔ صدر اسلامی مرکز نے ۴۵ منٹ کی گفتگو میں بتایا کہ قرآن کا ایک حصہ "سطور" میں ہے اور اس کا ایک حصہ "بین السطور" میں۔ قرآن کا جو حصہ سطروں میں ہے وہ آپ الفاظ کا ترجمہ کر کے جان سکتے ہیں۔ مگر اس کا دوسرا زیادہ گہرا حصہ بین السطور میں ہے اور اس کو صرف تدبر کے ذریعہ جانا جا سکتا ہے۔

۸. دسمبر ۱۹۸۴ کو بستی نظام الدین (دہلی) میں ایک نشست ہوئی۔ بستی کے تقریباً ایک درجن تعلیم یافتہ اصحاب شریک ہوئے۔ اس موقع پر صدر اسلامی مرکز نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا کہ موجودہ زمانہ میں تجدید ملت اور احیائے اسلام کے کام کا آغاز کہاں سے ہو۔ اس گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ اس کا آغاز دعوت الی اللہ سے ہونا چاہئے۔

۹. "مذہب اور جدید چیلنج" کے اڈیشن ۱۹۸۳ میں نمبر ۵۷ اور ۲۷ کے درمیان کے صفحات بے ترتیب ہو گئے ہیں۔ یہ اوراق دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس کتاب کے مذکورہ نسخے ہوں وہ مکتبہ الرسالہ کے نام خط لکھ کر یہ صفحات دوبارہ منگوا لیں۔ یا کتاب کو واپس کر کے اس کی جگہ نیا صحیح نسخہ حاصل کر لیں۔

ایجنسی الرسالہ

ماہنامہ الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اردو الرسالہ کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ اور انگریزی الرسالہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔

الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔

الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر خدا کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

۱۔ الرسالہ (اردو یا انگریزی) کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمے ہوتے ہیں۔

۲۔ زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔

۳۔ کم تعداد کی ایجنسی کے لئے ادائگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور صاحبِ ایجنسی ہر ماہ اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلاً تین مہینے) تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

۴۔ صاحب استطاعت افراد کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک سال یا چھ ماہ کی مجموعی رقم پیشگی روانہ کر دیں اور الرسالہ کی مطلوبہ تعداد ہر ماہ ان کو سادہ ڈاک سے یا رجسٹری سے بھیجی جاتی رہے۔ ختم مدت پر وہ دوبارہ اسی طرح پیشگی رقم بھیج دیں۔

۵۔ ہر ایجنسی کا ایک حوالہ نمبر ہوتا ہے۔ خط و کتابت یا منی آرڈر کی روانگی کے وقت یہ نمبر ضرور درج کیا جائے۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ سی۔ ۲۹ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی سے شائع کیا

Regd. No. D(SE) 243
Regd. R.N. No. 28822/76

January 1985
Number 98

AL-RISALA MONTHLY

C-29 NIZAMUDDIN WEST NEW DELHI 110 013 Tel. 611128

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحیدالدین خاں کے قلم سے

تذکیر القرآن جلد اوّل	50/-
الاسلام	20/-
مذہب اور جدید چیلنج	25/-
ظہورِ اسلام	25/-
احیاءِ اسلام	15/-
پیغمبرِ انقلاب	25/-
دین کیا ہے	2/-
قرآن کا مطلوب انسان	5/-
تجدیدِ دین	3/-
اسلام دینِ فطرت	3/-
تعمیرِ ملت	3/-
تاریخ کا سبق	3/-
مذہب اور سائنس	5/-
عقلیاتِ اسلام	3/-
فسادات کا مسئلہ	2/-
انسان اپنے آپ کو پہچان	2/-
تعارف اسلام	3/-
اسلام پندرھویں صدی میں	2/-
راہیں بند نہیں	3/-
ایمانی طاقت	3/-
اتحادِ ملت	3/-

سبق آموز واقعات	3/-
زلزلۂ قیامت	4/-
حقیقت کی تلاش	3/-
پیغمبرِ اسلام	3/-
آخری سفر	3/-
حقیقتِ حج	2/-
اسلامی دعوت	3/-
خدا اور انسان	3/-
اسلام اور عصرِ حاضر	20/-

تعارفی سٹ

سچا راستہ	2/-
دینی تعلیم	3/-
حیاتِ طیبہ	3/-
باغِ جنت	3/-
نارِ جہنم	3/-

English Publications

The Way to Find God	4/-
The Teachings of Islam	5/-
The Good Life	5/-
The Garden of Paradise	5/-
The Fire of Hell	5/-
Mohammad: The Ideal Character	3/-

مکتبہ الرسالہ سی - ۲۹ ، نظام الدین ویسٹ ، نئی دہلی ۱۳